ایک دلچسپ سائنسی کہانی

ایک دلچسپ سائنسی کہانی

آٹھواں تارا

آٹھواں تارا



مظہر الحق علوی

مظہر الحق علوی

قیمت:-

چار روپیہ

ناشر
نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ

ناشر:- عزیز الرحمن (بار اول اپریل ۱۹۷۵ء) پرنٹر:- سرفراز قومی پریس لکھنؤ

(۱)

"جیکی! بھاگو۔"

اور جیکی تیز بھاگا۔

جیکی ادریس کے کتے کا نام تھا۔ لمبے بالوں، باریک آواز اور گچھے دار دم والا چھوٹا سا خوبصورت کتا۔

یہ رات کا وقت تھا۔ رات چاندنی نہ تھی۔ لیکن ایسی اندھیری بھی نہ تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ آسمان میں بے شمار تارے روشن تھے۔ اور ان کی ہلکی ہلکی روشنی زمین پر بکھری ہوئی تھی۔ جب آسمان صاف ہو، بادل نہ ہوں اور تارے آنکھیں جھپک جھپک کر دنیا، دنیا والوں اور ان کے کاروبار کو دیکھ رہے ہوں تو اندھیری رات اتنی اندھیری نہیں ہوتی۔

کچھ دنوں سے ادریس کو نجوم کی دھن سمائی تھی۔ چنانچہ اس دھن میں اس نے علم نجوم، آسمان، ستاروں، سیاروں اور آسمانی دنیا کے متعلق بہت سی الٹی سیدھی کتابیں پڑھ ڈالی تھیں۔ بہت سی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آئی تھیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوا تھا کہ وہ تاروں اور سیاروں کے نام

جاننے اور بہت حد تک اُنھیں پہچاننے لگا تھا۔

ان کتابوں کے مطالعے کے بعد ادریس کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ وہ ہر رات اپنے کتّے جیکی کو لے کر شہر سے باہر میدانوں، ویرانوں یا دریا کے کنارے نکل آتا، رات گئے تک اپنے وفادار کتّے کے ساتھ بھٹکتا اور آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر آسمانی دنیا کے متعلق سوچتا۔ آپ ہی آپ بڑبڑاتا اور جیکی سے باتیں کرتا۔

آج بھی وہ جیکی کے ساتھ بھٹک رہا تھا اور آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر جیکی سے کہہ رہا تھا:

"وہ دیکھا جیکی — وہ ایک دم سے لال لال اور بڑا ستارہ — وہ شاید مریخ ہے۔ کہتے ہیں کہ مریخ میں تانبے کی کانیں ہیں۔ اس لئے وہ ایسا لال لال ہے۔ اور وہ ادھر — صبح ہونے سے پہلے ستارۂ صبح چمکتا ہے — سفید سفید اور یہ بڑا — اسے قطب تارہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن وہ صبح ہونے سے پہلے دکھائی دیتا ہے۔ کبھی دکھاؤں گا تمھیں۔"

"بھوں۔ بھوں۔" جیکی نے گویا سب کچھ سمجھ کر کہا۔

"اور وہ اوپر سات ننھے ننھے تارے ہیں۔ جانتے ہو انھیں کیا کہتے ہیں؟ انھیں بنات النعش کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں کی عورتیں انھیں سات سہیلیوں کا جھمکا کہتی ہیں۔ سات تارے ہوتے ہیں اس میں اور ......"

ادریس ایک دم سے خاموش ہوگیا اور چلتے چلتے ٹھٹک کر کھڑا ہوگیا۔

"بھوں۔ بھوں" جیکی نے کہا۔ وہ شاید پوچھ رہا تھا کہ کیا ہوا؟

ادریس حیرت اور غور سے سات ستاروں کے جھمکے کی طرف دیکھ رہا تھا

"بھوں۔ بھوں" جیکی پھر بولا۔

"عجیب بات ہے یہ تو!" ادریس بڑبڑایا۔

"بھوں، بھوں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بھوں۔ بھوں۔"

"جب سے دنیا بنی ہے تب سے لے کر اب تک اس جھمکے میں سات ہی تارے چلے آرہے ہیں۔ نہ ایک کم اور نہ ایک زیادہ۔ کم سے کم کتابوں میں تو ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔"

"غرر۔ بھوں۔"

"لیکن آج یہ نئی بات کیسے ہو گئی۔"

"بھوں۔ بھوں؟"

"جھمکے میں ایک تارا زیادہ ہے۔ یعنی سات کے بجائے اس میں آٹھ تارے ہیں۔ یقین نہیں آتا۔ کہیں میری نظر مجھے دھوکا تو نہیں دے رہی ہے؟"

"بھوں۔ غرز۔ رُب۔ ہاؤ۔"

"کمال ہے۔"

چند منٹوں تک ادریس دم بخود سا کھڑا تاروں کے اس جھمکے کی طرف دیکھتا رہا۔

اور پھر وہ بھاگا۔ جیکی بھی بھاگا۔

اور تب اس نے ایک نئی اور عجیب بات دیکھی۔

وہ آٹھواں تارا رفتہ رفتہ بڑا ہونے اور اسکی روشنی بڑھنے لگی تھی۔

اور تب ادریس چیخا :۔

" جیکی۔ بھاگو !!

اور وہ دونوں تیزی سے بھاگے۔

ادریس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

یہ ایک نئی بات تھی۔

کچھ گڑبڑ تھی۔

اجرام فلکی میں کچھ گڑبڑ تھی۔

آسمانی نظام میں کچھ گھٹالا ہو گیا تھا۔

اور یہ بات خطرناک بے حد خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

ادریس اور جیکی بھاگ رہے تھے۔

اور وہ آٹھواں تارا زیادہ سے زیادہ روشن ہوتا جا رہا تھا۔

زیادہ سے زیادہ بڑا بنتا جا رہا تھا۔

وہ شاید قریب، دنیا سے قریب، زمین سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

یہ وہم نہ تھا، یہ نظر کا دھوکا نہ تھا، یہ حقیقت تھی، صاف اور کھلی ہوئی حقیقت۔ وہ آٹھواں تارا اب آسمان کے دوسرے تمام تاروں سے زیادہ چمکنے لگا تھا۔

اور پھر ایک نئی اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات ہوئی۔

فضا رفتہ رفتہ گرم ہونے لگی۔

اور یہ حیرت کی بات بھی تھی۔ سردیوں کا موسم ابھی ختم نہ ہوا تھا۔ رات کے وقت تو خاص سردی ہوتی تھی۔ اس موسم میں گرمی !

اور پھر ادریس کو پسینہ چھوٹنے لگا۔

ادریس کے حواس گم تھے۔ اللہ جانے یہ کیا ہو رہا تھا اور کیا ہونے والا تھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔ جیکی بھاگ رہا تھا۔ اور وہ آٹھواں تارا دم بدم بڑھتا جا رہا تھا۔ جیسے وہ ادریس اور جیکی کا تعاقب کر رہا ہو۔

ادریس اور جیکی اندھا دھند بھاگتے رہے۔ جانے کب تک اور کتنی دور تک بھاگتے رہے اور تب ادریس کو سامنے ایک عمارت نظر آئی۔ کافی بلند عمارت تھی یہ اور اس کی شکل ایسی تھی جیسے کوئی مینار ہو بے حد بلند۔

ادریس جانتا تھا کہ یہ عمارت کیا تھی۔

یہ ایک رصدگاہ تھی یعنی وہ مقام جہاں سے اجرام فلکی کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

ادریس اس عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔

اس نے دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی۔

کوئی جواب نہ آیا۔ کسی نے دروازہ نہ کھولا۔

ادریس مسلسل گھنٹی بجاتا رہا۔

اس عرصے میں وہ تارا بہت زیادہ بڑا ہو گیا تھا اور بہت زیادہ روشن بھی۔ اسی مناسبت سے گرمی میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

اور تب یکایک دروازہ کھل گیا۔ سامنے ایک شخص کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے اس رصدگاہ کے بڑے سائنس داں سے ملنا ہے۔" ادریس نے کہا۔

"تم ان سے نہیں مل سکتے۔" وہ شخص خفا ہو کر بولا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ اس وقت وہ بے حد مصروف ہیں۔ ایک بے حد ضروری

اور اہم کام میں الجھے ہوئے ہیں"

اور دروازہ دھڑام سے بند ہوگیا۔

ادریس کو غصہ آگیا۔ یہ کیسے سائنس داں ہیں الو کے پٹھے! آسمان میں گڑبڑ ہو رہی ہے، ایک نیا تارا نظر آرہا ہے اور رصدگاہ والے اس طرف کوئی دھیان نہ دیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ لوگ اپنے آپ کو سائنس داں کہتے ہیں۔

ادریس دیوانہ وار بند دروازے پر گھونسے برسانے لگا۔ جیکی بھونکنے لگا۔

دروازہ پھر کھلا۔ وہی شخص نمودار ہوا۔

"ایک دفعہ کہہ دیا نا کہ پروفیسر صاحب اس وقت کسی سے نہیں مل سکتے" وہ غرّایا۔

"نہ ملیں۔ میری بلا سے۔ تمھارا ہی نقصان ہے اس میں۔ تم سب جل بھن کر کوئلہ ہو جاؤ گے" ادریس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمھاری اس عمارت کے دوسری طرف آگ لگی ہے زبردست پل بھر میں تمھاری یہ عمارت اور اس کے ساتھ تم لوگ بھی جل کر خاک ہو جاؤ گے"

"ایں"

"تم ایں ادمیں کیسے جاؤ۔ دیکھ نہیں رہے ہو آگ کی تپش یہاں تک محسوس ہوتی ہے؟"

"گرمی تو واقعی محسوس ہو رہی ہے"

"اس طرف لگی ہے آگ۔"

"کہاں؟"

اور وہ شخص بدحواس ہو کر بھاگا عمارت کے عقبی حصے کی طرف۔

"جیکی! گھس پڑو اندر۔"

اور وہ دونوں اندر گھس پڑے۔ ادریس نے دھڑام سے دروازہ بند کر دیا۔ یہ ایک کمرہ تھا خالی۔ اس میں کچھ نہ تھا۔ سوائے ایک زینے کے جو کمرے کے انتہائی سرے پر تھا اور کہیں اوپر جا رہا تھا۔

ادریس دوڑ کر وہ زینہ چڑھنے لگا۔ جیکی اس کے پیچھے تھا۔ زینہ اوپر ہی اوپر جا رہا تھا۔ ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری منزل تک۔ ہر منزل میں ایک ایک کمرہ لیکن ہر کمرہ خالی۔ نہ کوئی آدمی اور نہ فرنیچر۔ چاروں طرف خاموشی اور ویرانی۔ عجیب سناٹا۔ جیسے یہاں کوئی بستا نہ ہو۔ جیسے یہ بھوت بنگلہ ہو۔ جیسے یہ کوئی مقبرہ ہو۔

"آخری دن — دنیا کا آخری دن — دنیا کا خاتمہ — سب کا خاتمہ — قیامت۔ قیامت۔ قیامت آ گئی۔"

اور عجیب سا، بے حد بوڑھا اور سوکھا مارا سا آدمی اپنا سفید بالوں والا سر ہلاتا اور یہ لمبی ڈاڑھی جھلاتا اور آپ ہی آپ بڑبڑاتا زینہ اتر رہا تھا اور بڑبڑانے میں اور اپنی دھن میں ایسا مگن تھا کہ اس نے ادریس کو نہ دیکھا تھا۔ اور اس سے ٹکرانے سے بال بال بچ گیا۔

"بڑے میاں!" ادریس نے کہا "ایک منٹ — آپ میری بات سنیں گے؟"

"کچھ کہنے کا وقت نہیں ہے۔ کچھ سننے کا وقت نہیں ہے۔" بوڑھا سر

ہلا کر بولا " دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔ لوگوں کے گناہ بہت بڑھ گئے ہیں۔ قیامت آگئی ہے۔ خدا کا نام لو۔ اللہ کو یاد کرو۔ اس سے پہلے کہ تم اس کے سامنے پہنچ جاؤ۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرلو۔ قیامت کا دن، قیامت کا دن آگیا "

" لیکن آپ۔ یہ تو بتائیے کہ اس طرف کوئی ۔۔۔ "

" کوئی نہیں۔ کوئی نہیں " بڑے میاں آپ ہی آپ بڑبڑاتے تیزی سے زینہ اترنے لگے۔ ادریس نے کبھی کسی بوڑھے کو یوں تیزی سے سیڑھیاں اترتے نہ دیکھا تھا " کوئی نہیں۔ نہ اس طرف اور نہ اس طرف ۔۔ کوئی نہ بچے گا۔ قیامت کا آغاز ہو چکا ہے "

ادریس زینہ چڑھ کر اوپر پہنچ گیا۔

یہاں ایک کافی بڑا گنبد سا تھا۔ جس کے نیچے کافی لمبی دوربین رکھی ہوئی تھی۔ جس کی نلکی گنبد سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ اور آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ گنبد میں جانے کا جو دروازہ تھا اس کے ماتھے پر جلی حروف میں لکھا تھا :-

" اندر آنا منع ہے "

گنبد کا دروازہ بند تھا۔ ادریس نے دروازے پر دستک دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے پھر دستک دی۔ بار بار دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔

" کیا مصیبت ہے " ادریس بڑبڑایا۔

ادریس نے بند کواڑوں پر ایک لات رسید کر دی۔ وہ دھڑ سے کھل گئے ادریس اندر داخل ہو گیا۔ ایک گول کمرہ تھا جس کے عین بیچ بڑی زبردست دوربین تھی جو طیارہ شکن توپ کی نالی کی طرح اوپر آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں کوئی نہ تھا۔ ادریس دم بخود سا کھڑا تھا کہ اس کے کان میں

کسی کے بولنے کی آواز آئی۔

"دو سو ضرب پانچ سو۔۔۔ پانچ سو ضرب ستره سو۔۔۔ ایک ہزار گھڑیاں اور تو لمحے۔۔۔ نو سو پچاس ضرب تیس ہزار، تقسیم آٹھ، جمع ایک لاکھ کیلومیٹر رفتار، ضرب پچانوے لاکھ چھتیس ہزار نو سو تیرہ۔۔۔۔۔"

ادریس نے اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آرہی تھی۔ ایک کونے میں دو بے حد بوڑھے سائنس داں بیٹھے عجیب سا الجھا ہوا اور دماغ کو گھما دینے والا حساب جوڑ رہے تھے۔

"دخل در معقولات کی معافی چاہتا ہوں میرے بزرگو!" لیکن میں اس رصدگاہ کے سب سے بڑے سائنس داں سے ملنا چاہتا ہوں۔ معاملہ بے حد اہم ہے"

"شش۔ چپ" ایک بڑے میاں ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ناک پر انگلی رکھ کر بولے "دیکھ نہیں رہے ہو کہ میرے دوست بے حد مشکل اور الجھا ہوا حساب جوڑ رہے ہیں۔ یہ معاملہ بے حد اہم ہے۔ اگر حساب میں ذرہ برابر بھی گڑبڑ ہو گئی تو دنیا میں پہاڑ برابر گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"لیکن۔۔۔۔"

"شش۔ چپ۔۔۔ میرے ساتھی جب تک حساب نہ جوڑ لیں اس دوربین کے ذریعے آسمانی دنیا کی سیر کرو۔"

ادریس کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ بڑے میاں نے اس سے یہ تک نہ پوچھا کہ تم کون ہو اور بلا اجازت یہاں کیسے آگئے؟ لیکن پھر بھی اس نے سوچا کہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سائنس داں اور فلسفی نیم پاگل سے ہوتے ہیں۔

بہرحال اسے دوربین کے ذریعے آسمانی دنیا کے مطالعے کا یہ ایک نادر موقع مل گیا تھا اور اس کے ذریعے وہ شاید یہ بھی معلوم کر سکتا تھا کہ وہ آٹھواں تارا کیا بلا تھی۔

وہ دوڑ کر دوربین کے قریب پہنچا اور اس میں سے آسمان کی طرف دیکھا تو۔۔۔۔

اس کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی۔

"شش۔ چپ" بڑے میاں نے اس دفعہ اسے ڈانٹ دیا۔

ادریس نے اپنے دانت بھینچ کر اور دھڑکتے ہوئے دل کو قابو میں کر کے پھر دوربین میں دیکھا اور بڑی کوششوں سے اپنی چیخ روک سکا۔ البتہ اسے ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے۔

اور بات تھی بھی ایسی ہی۔

ایک بہت بڑی بلکہ جناتی مکڑی، جو روشن تھی، تاروں کے ساتھ آسمان میں تیر رہی تھی۔ یہ مکڑی سورج کی طرح روشن تھی۔ یہ لمبی لمبی ٹانگیں تھیں اس کی جو بے حد خوفناک انداز میں ہل رہی تھیں اور ان ٹانگوں پر جگمگاتے ہوئے سنہری روئیں دیکھ کر تو ادریس کو پھریریاں آ گئیں۔

"باپ رے!" ادریس بولا۔

وہ دوڑ کر ان بوڑھوں کے پاس پہنچا۔

"غضب ہو گیا" وہ بولا۔

"ہاں غضب ہی ہو گیا" بڑے میاں نے اپنی ہی دھن میں جواب دیا "کمال ہے کہ۔۔۔"

"ہاں واقعی کمال بھی ہے" بڑے میاں دوربین والے جامد ہے کہنے۔

"میں کہتا ہوں بے حد خوفناک۔۔۔۔"

"سچ کہتے ہو۔ بے حد خوفناک بھی ہے۔"

"ایسی زبردست چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔"

"ہاں واقعی میں نے بھی نہیں دیکھی پھر تم کون سے دس سرے کرآئے ہو۔"

"اور اس کی روئی والی ٹانگیں دیکھ کر تو مجھے پھریریاں آگئیں۔"

"روئی والی ٹانگیں!" بڑے میاں چونکے ان کے ہاتھ سے پنسل چھوٹ گئی "روئی والی ٹانگیں ۔۔۔ یعنی؟"

"اس کی بُنا ۔۔۔ وہاں دوربین میں ۔۔۔ آسمان پر"

"ایں ۔۔۔ دوربین میں ۔۔۔ آسمان پر ۔۔۔ کیا ہانک رہے ہو؟"

"سچ کہتا ہوں۔"

"دوربین میں ۔۔۔ آسمان پر ۔۔۔ کیا ہو سکتا ہے؟"

اور بڑے میاں حیرت انگیز تیزی سے دوڑے اور حیرت انگیز پھرتی سے، بندر کی طرح اچک کر دوربین کے چبوترے پر چڑھ گئے اور دوربین سے آنکھ چپکا کر بولے:۔

"روئی والی ٹانگیں! ۔۔۔ کہاں ہیں؟"

"ہٹ جائیے۔ میں دکھاتا ہوں" اور ادریس نے اپنی عجلت میں بڑے میاں کو ایک طرف ڈھکیل دیا۔

"ابے ۔۔۔ بدتمیز ۔۔۔ گستاخ ۔۔۔ ام ام ۔۔۔ ہمم" بڑے میاں بھنا گئے۔

ادریس نے بڑے میاں کے بڑبڑانے کی پروا کیے بغیر دوربین میں سے دیکھا اور حیران رہ گیا۔

"وہ روشن سنہری مکڑی وہاں نہ تھی۔

"کیا ہوا۔ کہاں گئی؟ ۔ ابھی ابھی تو میں نے دیکھی تھی۔

"تم الو کے پٹھے بلکہ بذاتِ خود بڑے بلکہ عظیم الشان الو ہو۔" بڑے میاں ایک دم سے بگڑ گئے۔

دوربین کی دوسری طرف بیٹھا ہوا جیکی بھونکنے لگا۔

ادریس دوڑ کر اس طرف پہنچا۔ جیکی کہیں اوپر دیکھ کر بھونک رہا تھا۔ ادریس نے بھی اوپر دیکھا۔

ایک ننھی سی مکڑی دوربین کے باہری لینس پر سے اور اپنے منہ کی رال سے باریک سا تار بنائے آہستہ آہستہ نیچے اتر رہی تھی۔

ادریس ہنس پڑا۔

"ابے ۔۔ ہنستا کیوں ہے۔ دنیا کے مانے ہوئے سائنس داں پروفیسر اگڑم بگڑم پر آج تک کوئی نہیں ہنسا" بڑے میاں بگڑے۔

"معافی چاہتا ہوں پروفیسر صاحب۔ یہ ۔۔ یہ ۔۔ مکڑی اوپر کے لینس پر تھی جو مجھے دوربین میں ایسی خوفناک دکھائی دی۔"

"معافی کے بچے ۔۔ سب ۔۔ ہاں ۔۔ ٹھیک ہے ۔۔ دیکھو ۔۔ ادھر آؤ اور دیکھو" پروفیسر دوربین سے آنکھ لگا کر چلائے۔

ادریس پھر دوڑ کر دوسری طرف پہنچا اور ایک بار پھر پروفیسر کو ایک طرف ڈھکیل دیا۔

"ابے ۔۔ دھکے کیوں مارتا ہے؟ ۔ آدمی ہے کہ بیل" پروفیسر صاحب غصے ہو گئے۔

ادریس نے دوربین میں سے دیکھا۔ آگ کا ایک بہت بڑا اور گھومتا ہوا گولا دکھائی دیا۔

"باپ رے رے!" ادریس بولا "یہ تو آگن گولہ ہے۔ اتنا بڑا!"

"اتنا نہیں بلکہ اتنا بڑا" اور پروفیسر صاحب نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے

"لیکن یہ ہے کیا پروفیسر صاحب؟" ادریس نے پوچھا۔

"اُوڈٹ"

"اونٹ؟"

"ابے اونٹ نہیں۔ اوڈٹ۔ اوڈٹ۔ اس کا دوسرا اور آسان نام اولکا ہے"

"اوہ!"

"اوہ یعنی کیا؟"

"میرا مطلب ہے اولکا۔ وہ کیا ہوتا ہے پروفیسر صاحب؟"

"سورج کا پہلا آگن گولہ۔ تم نے اگر کبھی سورج کی طرف دیکھا ہے دھوپ کی عینک میں سے تو تم جانتے ہو گے کہ سورج تیزی سے گھومتا ہے۔ کبھی کبھی اس میں سے چنگاریاں سی جھڑ جاتی ہیں۔ ان چنگاریوں میں سیاروں اور تاروں کی طرح کشش مل جاتی ہے۔ چنانچہ یہ چنگاریاں آسمان میں ہی تاروں کی طرح جم جاتی ہیں اور اگر کسی سیارے یا سیاروں کی کشش انھیں تھام نہیں سکتی تو یہ چنگاریاں خلا میں ادھر سے ادھر بھاگتی پھرتی ہیں۔ ان میں سے کوئی چنگاری زمین کے قریب آجائے تو پھر زمین کی کشش اسے اپنی طرف کھینچ لے۔ لیکن تم ان چنگاریوں کو ذرا ذرا سی نہ سمجھو۔ یہ بہت بڑی ہوتی ہیں۔ انھیں چنگاریوں کو اولکا کہتے ہیں۔ کئی ایک اولکائیں تو ہماری دنیا سے بھی بڑی ہیں۔ اسی طرح کی ایک چنگاری یعنی اوڈٹ یا اولکا اس وقت ہماری دنیا کی طرف دھنستی آرہی ہے، آگ

(برساتی) اور جلتی ہوئی اولکا ہے۔ تم دوربین میں سے دیکھ چکے ہو اور جسے تم نے اگن گولا کہا ہے۔ یہ اولکا ہماری دنیا کی طرف آرہی ہے۔ تیزی سے۔ تیزی سے۔"

"اونٹ دنیا کی طرف دھنستی آرہی ہے" ادریس نے گھبرا کر کہا۔

"میاں تمہاری اردو بے حد ناقص ہے۔ اونٹ آرہی ہے کیسے ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے ہو سکتا ہے۔ اونٹ آرہا ہے ہونا چاہیئے لیکن یہاں کس مردود نے اونٹ کا ذکر کیا ہے؟"

"آپ ہی نے تو اس اگن گولے کا نام اونٹ بتایا تھا۔"

"ابے اونٹ نہیں۔ اوٹ۔ اوٹ۔ اگر یہ نہیں کہہ سکتے تو اولکا کہو۔"

"ہاں اولکا ٹھیک ہے۔ تو یہ اولکا دنیا کی طرف آرہی ہے۔ یعنی؟"

"یعنی گڑبڑ، طوفان، قیامت۔ یہ اگن گولا ہماری دنیا سے ٹکرا جائیگا۔"

"دنیا سے ٹکرا جائے گا۔ یعنی؟"

"یعنی تباہی۔ دنیا کا خاتمہ" پروفیسر نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے خدا!" ادریس ایک دم سے خوفزدہ ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ اور کچھ کہتا اس دوسرے بوڑھے نے جو حساب جوڑ رہا تھا آ کر کہا:۔

"یہ لیجئے پروفیسر صاحب حساب تیار ہے۔"

اور اس نے کاغذ کا ایک پلندہ پروفیسر کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ ادریس نے دیکھا کہ ان کاغذوں پر ضرب، جمع، تقسیم اور نفی کے بے شمار الٹے سیدھے حساب تھے۔

(۳)

اور آسمان میں واقعی آگ لگی ہوئی تھی۔

وہ آٹھواں تارا، وہ گھومتا ہوا اگن گولا اب بہت بڑا بن گیا تھا۔ اور زمین کے بہت قریب آگیا تھا۔ وہ اب تارا نہ تھا بلکہ آگ کا ایک فٹ بال تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک چھوٹا سا سورج ہو۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا۔ لیکن وہ اب بھی زمین کی طرف دھنسا آرہا تھا۔

زمین پر ناقابل برداشت گرمی اور تپش کی لہر سی دوڑ گئی تھی۔ آسمان سے جیسے سچ مچ آگ برس رہی تھی۔ لوگ پریشان تھے اور گھبرائے ہوئے تھے اور خوفزدہ تھے۔

ایک دم سے جیکی بے تحاشہ بھونکنے لگا۔ ادریس نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر اور کچھ نہ پا کر وہ گھبرا کر قریب کے بجلی کے ایک کھمبے پر چڑھ گیا۔ کھمبا جل رہا تھا۔ ادریس کے ہاتھ پاؤں اور سینہ جھلس گیا۔

شہر کی سڑکوں پر اس وقت ایک عجیب تماشا ہو رہا تھا۔ اور اسی سے گھبرا کر ادریس بجلی کے کھمبے پر چڑھ گیا تھا۔

گھروں میں سے چوہیاں اور بڑے بڑے چوہے نکل پڑے تھے۔ چوہوں کی فوج کی فوج، جس میں چوہوں کو شمار کرنا ممکن نہ تھا، سڑکوں پر بھاگی جا رہی تھی۔ گھروں کی گرمی سے گھبرا کر سیکڑوں ہزاروں چوہے باہر نکل آئے تھے۔

چوہوں کے پیچھے بلیاں بھاگ رہی تھیں۔

بلیوں کے پیچھے کتے بھاگ رہے تھے۔

یہ ایک انوکھی اور عجیب بھگدڑ تھی جو کسی نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

کاروں، اسکوٹروں، اور بائیسکلوں وغیرہ کے پنکچر کھل گئے تھے۔

عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی۔

یکایک جیکی رونے لگا۔

"کیا ہوا؟" ادریس نے کھمبے پر سے پوچھا۔

جیکی بھی آخر کتا تھا۔ چوہوں کے پیچھے بلیوں اور بلیوں کے پیچھے کتوں کو بھاگتے دیکھ کر اس کا بھی دل للچایا اور وہ بھی اس دوڑ میں شامل ہوگیا لیکن — سخت تپش کی وجہ سے سڑک کا کولتار پگھل گیا تھا اور جیکی سڑک کے بیچوں بیچ کولتار میں چپک گیا تھا۔

ادریس کھمبے پر سے اترا اور اس نے ڈرتے ڈرتے سڑک پر قدم رکھا اور اس کا پیر چپک گیا۔ اس نے دوسرا قدم آگے رکھا اور زور لگا کر چپکا ہوا پیر چھڑا کر اٹھایا، یوں چپکتا اکھڑتا وہ جیکی تک پہنچ گیا۔ جھاک کر اسے کمر سے پکڑا اور زور کر کے اسے اکھاڑ لیا۔

پریشان حال لوگ گھروں میں سے نکل آئے تھے۔ اور اس آگ گولے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چاروں طرف اجالا ہی اجالا تھا جیسے آدھی رات کو سورج نکل آیا ہو۔ لوگوں کے چہروں پر خوف تھا۔ موت کا خوف۔

عین اسی وقت ایک طرف سے وہی بوڑھا آتا نظر آیا جسے ادریس نے رصدگاہ کی سیڑھیاں اترتے اور قیامت کا اعلان کرتے دیکھا تھا۔ اس وقت اس بوڑھے کے ہاتھ میں گھنٹہ تھا جسے وہ بجا رہا تھا اور چیخ چیخ کر

کہہ رہا تھا:۔

"قیامت آ گئی۔۔ ٹھن ٹھن۔۔ لوگوں کے گناہ بہت بڑھ گئے ہیں ۔۔ ٹھن ٹھنا ٹھن۔۔ خدا کا غضب نازل ہو رہا ہے۔۔ ٹھن ٹھن۔۔ کلجگ یہاں ختم ہوتا ہے۔۔ کر تیگ بھی پورا ہوتا ہے۔۔ ٹھنا ٹھن ۔۔ دنیا ختم ہو رہی ہے۔۔ قیامت آ گئی ہے۔۔ سورج سوا نیزے پر آ گیا ہے۔۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے۔۔ سمندر خشک ہو جائیں گے۔۔ دھرتی شق ہو جائے گی۔۔ کوئی نہ بچے گا۔ کوئی نہ بچے گا۔۔ ٹھن ٹھن۔۔ ٹھنا ٹھن۔"

"بوڑھے کی یہ پیشین گوئی سن کر لوگوں کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

ادریس دوڑ کر بوڑھے کے پاس پہنچا۔

"بڑے میاں!" وہ بولا "اپنے گھر جاؤ۔ کیوں خواہ مخواہ لوگوں کو ڈرا رہے ہو۔"

"گھر! کس کا گھر؟ کیسا گھر؟ ٹھن ٹھن۔ لوگو! سنو اس نادان کی باتیں۔ مجھے گھر جانے کو کہتا ہے۔ ٹھنا ٹھن۔"

"ہاں سو جاؤ جا کر۔"

"سو جاؤں! ارے میں کیا سبھی سو جائیں گے۔ ہمیشہ کے لیے سو جائیں گے اور سب سے پہلے تو سو جائے گا۔ قیامت۔۔ دنیا کا خاتمہ۔۔ ٹھن ٹھن۔ ٹھنا ٹھن۔"

اور وہ بوڑھا گھنٹا بجاتا اور قیامت۔ قیامت چلاتا آگے بڑھ گیا۔

ادریس اپنے گھر پہنچا۔ ہائیں باغ کے سارے پودے مرجھا کر جھک

گئے تھے اور خود ادریس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ اس نے بھر بھر کٹورے پانی پیا۔ پانی کھول رہا تھا۔

"خدا جانے اشرف اور نسرین کس حال میں ہوں گے" ادریس نے سوچا۔ اسے اپنے بھائی اور بہن کی فکر ہو رہی تھی۔ جو ان دنوں شہر میں نہ تھے۔

"خدا ان کی حفاظت کرے۔"

پھر اسی گھنٹے والے بوڑھے کی پکار سنائی دی۔

"دنیا کا خاتمہ — ٹھن ٹھن — قیامت — سب کا خاتمہ — ٹھن ٹھنا ٹھن۔"

ادریس کو اس بڈھے پر بہت غصہ آیا۔ اس نے پانی بھرا مٹکا اٹھایا اور کھڑکی میں سے اس بڈھے کے سر پر پھینک دیا۔

بڈھے نے نیچے سے ہی کہا:

"لو طوفانِ نوح بھی شروع ہو گیا — خاتمہ — خاتمہ — قیامت — قیامت — سب مر جائیں گے۔"

گرمی، تپش اور امس دم بہ دم بڑھتا جا رہا تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ لیکن روشنی ایسی تھی کہ دن نکلا ہوا تھا۔ وہ آٹھواں تارا اب بڑھ کر تھال جتنا ہو گیا تھا اور بدستور زمین کے قریب آ رہا تھا۔

ادریس نے گھر کے بجلی کے تمام پنکھے چلا دیے، کھڑکیوں اور دروازوں پر خس کی ٹٹیاں لگا دیں اور بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔

"کیا واقعی قیامت آ گئی ہے؟ نہیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

لیکن اس حساب داں کا حساب — ؟ کیا واقعی یہ اولکا یا جو کچھ بھی ہے زمین سے ٹکرا جائے گی ؟ کیا دنیا تباہ ہو جائے گی —؟ کیا کیا جائے ؟ اس کا کچھ تو علاج ہوگا ؟ کسی نہ کسی طرح دنیا کو تباہی سے بچانا چاہئے — لیکن کس طرح ؟ کیسے ؟"

وہ سوچتے سوچتے پتہ نہیں کب سوگیا۔

یکایک کھڑکی کے پٹ دھڑاک سے کھل گئے اور ان میں لگے ہوئے شیشے چور چور ہوگئے۔ کمرے میں ہوا کا ایک بے حد گرم جھونکا در آیا۔ یہ ہوا ایسی گرم تھی کہ معلوم ہوتا تھا جیسے سیدھی دوزخ سے آرہی ہو۔

پورا کمرہ اس گرم ہوا سے بھر گیا۔

کرسیاں، میز، کھڑکیاں، دروازے اور ادریس کا پلنگ — کمرے کی ہر چیز لرز اٹھی۔ فرش جھومنے سا لگا۔

ادریس نے گھبرا کر گھڑی کی طرف دیکھا۔

آٹھ بج کر بارہ منٹ۔

تباہی کی ابتدا ہو چکی تھی۔

مکمل تباہی میں صرف تین سکنڈ باقی تھے

"ٹھن ٹھن" نیچے گلی میں سے گھنٹے کی آواز آئی" قیامت کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہوشیار — ہوشیار — خدا کو یاد کر لو — لوگو! — توبہ کر لو — ٹھن ٹھن — ٹھنا ٹھن"

(۳)

سمندر چھلک گئے، دریاؤں نے اپنے رخ بدل لیے، پہاڑ جڑوں سے ہل گئے، شہر اتھل پتھل ہو گئے۔

دھرتی ڈانواں ڈول تھی۔

ادریس کا گھر طوفان میں پھنسے ہوئے جہاز کی طرح ڈول رہا تھا۔

برتن الماریوں میں سے گر رہے تھے۔ اور فرنیچر جھوم رہا تھا۔

ادریس نے گھڑی کی طرف دیکھا

آٹھ بج کر بارہ منٹ اور ٹھیک تیس سکنڈ۔

ایک طرف اوندھی پڑی ہوئی الارم گھڑی بجنے لگی۔

دنیا کی تباہی کا وقت آگیا تھا۔ ادریس نے ٹھیک آٹھ بج کر بارہ منٹ اور تیس سکنڈ پر الارم لگایا تھا۔

دھڑام۔ تڑاخ۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے کواڑ کھلے اور بند ہو گئے اور پھر کھلے۔

ادریس اٹھ کھڑا ہوا۔ اوپر سے کوئی چیز غلین اس کے سر پر گری۔

ادریس دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ وہ آنکھیں کھولنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ اس بوڑھے حساب داں کی گنتی صحیح تھی۔ اولکا زمین سے ٹکرا رہی تھی۔ دنیا ختم ہو رہی تھی۔ اور اس کے لیے بھی اب موت ہی تو تھی۔

ادریس آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کا گھر اس پر ٹوٹ پڑے گا اور وہ اس کے ملبے میں زندہ ہی دفن ہو جائے گا۔

لیکن ایسا نہ ہوا۔

کچھ بھی نہ ہوا۔

آپس میں ٹکراتے ہوئے کواڑ خاموش ہو گئے۔

ڈولتا ہوا گھر ساکت ہو گیا۔

ادریس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سر پر ریڈیو گرا تھا۔ بس یہی چوٹ اسے آئی تھی۔ ورنہ وہ زندہ اور صحیح سلامت تھا۔

"ہپ ہپ ہرّے" ادریس خوشی سے چیخا۔

اس کی آواز سن کر ایک کونے میں خوف سے دبکا ہوا جیکی آہستہ سے باہر آیا۔

"جیکی! میرے دوست" ادریس نے جیکی کو گود میں اٹھا لیا" دنیا بچ گئی ___ ہم بچ گئے ___ سب بچ گئے ___ وہ تو صرف ایک زلزلہ تھا"

گھر میں ہر چیز تتر بتر تھی۔ لیکن ادریس خوش تھا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ موت سے بچ جانے کی خوشی کتنی ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ وہی لگا سکتے ہیں جو کبھی موت کی دہلیز پر سے واپس آئے ہوں۔

اس نے دوڑ کر ٹیلی فون اٹھا لیا۔ رصدگاہ کے پروفیسر اکرم بگرام سے وہ گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ٹیلی فون مردہ تھا۔ زلزلے سے ٹیلی فون کے کھمبے گر گئے تھے۔ اور تار ٹوٹ گئے تھے۔

"جیکی! چلو" ادریس نے کہا۔

اور وہ دونوں باہر آگئے۔

باہر ایک تباہی کا عالم تھا۔ بجلی اور ٹیلی فون کے کھمبے راستوں پر پڑے ہوئے تھے، درخت جڑوں سے اکھڑے پڑے تھے، کئی ایک عمارتیں بیٹھ گئی تھیں، کئی ایک کی دیواریں ڈھے گئی تھیں اور لوگ دیوانے سے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اور اپنے عزیزوں کو تلاش کر رہے تھے

"ارے بھائیو! یہ تو صرف زلزلہ تھا، زلزلہ" ادریس خوشی سے چیخ رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا۔

لوگ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ سوچ رہے تھے "یہ لڑکا بھی عجیب ہے۔ یہاں گھر بار تباہ ہوگیا، امیر غریب بن گئے اور یہ قہقہے لگا کر کہتا ہے کہ صرف زلزلہ تھا"

اور کسی نے کہا :-

معلوم ہوتا ہے اس بچارے کے ماں باپ، بھائی بہن، گھر بار — سب ختم ہوگیا۔ چنانچہ اس غریب کا دماغ چل گیا ہے۔

اور اب لوگ اس کی طرف رحم اور ہمدردی سے دیکھنے لگے۔

لیکن جس راز سے ادریس واقف تھا اس سے اگر یہ لوگ بھی واقف ہوتے، جو خوف ادریس کو تھا اگر وہ ان لوگوں کو بھی ہوتا تو اس وقت یہ لوگ بھی ادریس کی طرح قہقہے لگا رہے ہوتے۔

ادریس نے رصدگاہ کا دروازہ ہلا ڈالا۔ اسی شخص نے دروازہ کھولا جس نے گزشتہ رات کھولا تھا۔ ادریس دوڑ کر اس سے لپٹ گیا اور بولا "مبارک ہو — مبارک ہو — قیامت ٹل گئی وہ تو صرف زلزلہ تھا۔"

وہ شخص بھونچکا رہ گیا۔

ادریس اسے یونہی بُت بنا چھوڑ کر اوپر بھاگا۔

"قیامت نہیں۔ صرف زلزلہ۔ صرف زلزلہ" وہ چیخ رہا تھا۔

"بھوں۔ بھوں" جیکی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔

ادریس ایک ایک وقت میں دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اس گنبد کی چھت والے کمرے کے سامنے پہنچ گیا۔ جس میں دوربین رکھی ہوئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ ایک بے حد موٹی کتاب اس کے منہ پر لگی۔ ابھی وہ کچھ سمجھ نہ پایا تھا کہ دوسری اس سے بھی موٹی کتاب۔ اور ابھی وہ سنبھل نہ پایا تھا کہ تیسری، چوتھی اور پانچویں کتاب اس کے منہ پر لگی اور پھر تو باقاعدہ "کتاب باری" شروع ہو گئی۔

ادریس بوکھلا گیا۔

ابھی اس کے حواس بجا نہ ہوئے تھے کہ آواز سنائی دی:

"الو کے پٹھے — گدھے کی دم — الٹ پلٹ — اوٹ پٹانگ — بیہودے — ان گھڑ — جاہل مطلق —"

ادریس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو نظر آیا کہ پروفیسر اکڑم بکڑم اپنے حساب داں ساتھی کو ان خطابات سے نہ صرف نواز رہے تھے بلکہ ہر خطاب کے ساتھ ایک موٹی سی کتاب بھی اس کے سر پر مار رہے تھے۔ انھیں میں کی کئی کتابیں ادریس کے منہ پر آ پڑی تھیں۔ کیوں کہ پروفیسر صاحب کے اکثر نشانے خطا کر رہے تھے۔

ادریس نے ایک دم سے دوڑ کر پروفیسر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا ہوا پروفیسر صاحب؟" اس نے پوچھا۔

"ادھورے — الل ٹپ — عقل کے پودینے — بے پروا

بے ڈھنگے۔" پروفیسر صاحب کا غصہ کم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔

"لیکن پروفیسر صاحب ہوا کیا؟"

"ہوا میرا سر۔ اس اوندھے نے اوندھا مار دیا۔" پروفیسر نے ایک پہاڑ کی پہاڑ کتاب حساب داں کی کھوپڑی پر رسید کر دی۔

"آخر یہ تو چلے کچھ؟"

"اب کیا خاک کچھ چلنے کا تھا۔ دنیا کی تباہی منسوخ ہو گئی۔" پروفیسر صاحب منہ سے کف اڑا کر بولے۔

"اچھا! وہ کیسے؟"

"یہ الو کا پٹھا حساب میں ذرا سی غلطی کر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُلکا زمین کے قریب سے گزر گئی۔ کوئی تیس ہزار میل دور سے گزر گئی اور اس کی اور زمین کی ٹکر نہ ہوئی۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا" ادریس نے کہا "دنیا بچ گئی۔"

"کیا خاک اچھا ہوا" پروفیسر صاحب بگڑ کر بولے "ایک عظیم اور عجیب ٹکراؤ نہ ہوا۔ میری پیشین گوئی غلط ثابت ہوئی اور میں دنیا کا مشہور ترین سائنس داں بنتے سے رہ گیا۔ یہ اچھا ہوا؟ میں پوچھتا ہوں یہ اچھا ہوا؟"

ادریس نے سوچا کہ یہ پروفیسر اگرام بگرام بھی عجیب آدمی ہے۔ دنیا تباہ ہونے سے بچ گئی اس کی اسے خوشی نہیں، قیامت بپا ہوتے ہوتے رہ گئی اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتا۔ بلکہ ایک زبردست حادثہ ٹل گیا اس کا اسے افسوس ہے۔ اور خود مشہور نہ ہو سکا۔ اس کا اسے رنج ہے۔

"لیکن پروفیسر صاحب!" ادریس نے بڑے میاں کو تسلی دی" یہ زلزلہ تو آیا نا؟"

"ارے میاں! ایسے زلزلے تو آئے دن ہوتے ہی رہتے ہیں۔ انھیں کون پوچھتا ہے؟" پروفیسر صاحب نے رونی آواز میں جواب دیا۔

"لیکن یہ زلزلہ ---- یہ تو خاص الخاص تھا۔ کیونکہ...."

ٹھیک اس وقت وہی حساب داں کہیں سے بھاگتا آیا۔

"پروفیسر صاحب! مبارک ہو" وہ بولا۔

اس کے ہاتھ میں ایک فلم کی لمبی پٹی تھی۔ اور اس فلم پر سفید اور بے شمار لکیریں تھیں۔

پروفیسر صاحب نے فلم حساب داں کے ہاتھ سے گھسیٹ لی، اسے روشنی میں کر کے دیکھا۔

"واہ!" پروفیسر چیخا۔

وہ حساب داں سے لپٹ گیا اور وہ دونوں ناچنے لگے۔

ادریس ان دونوں بوڑھوں کو ناچتے اور بچوں کی طرح اچھلتے کودتے دیکھ کر بھونچکا ہی رہ گیا۔ جیکی ان کی طرف منہ کر کے بھونکنے لگا۔ ادریس نے فرش پر پڑی ہوئی فلم اٹھائی اور اسے دیکھا۔ لیکن اسے کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔

وہ چند منٹوں تک بوڑھوں کو ناچتے اور اچھلتے کودتے دیکھتا رہا اور پھر پوچھا:۔

"پروفیسر صاحب! یہ اتنی بہت سی خوشی کاہے کی ہے؟ دنیا کے بچ جانے کی؟"

"ارے نہیں، دنیا جائے جہنم میں" پروفیسر صاحب نے اپنی لمبی داڑھی ہلائی:

"پھر؟"

"یورینیم —— بھائی یورینیم —— میاں یورینیم —— ارے یورینیم" حساب داں نے اچھل کر کہا۔

"ارے یورینیم کیا بلکہ یورینیم کا باپ" پروفیسر نے کہا۔

دونوں بڈھوں کا ناچ اور اچھل کود کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہ آتی تھی۔ ادریس عاجز آگیا۔ چنانچہ اس نے فلم لپیٹ کر جیب میں رکھی اور بغیر کچھ کہے سنے پلٹ کر چل دیا۔

دفعتہً دونوں بوڑھے چونکے اور اپنی اچھل کود بھول کر دوڑے ادریس کے پیچھے اور انھوں نے اسے پکڑ لیا۔

"او بھائی! چلے کہاں: لاؤ فلم۔ یہ فلم تو ہماری زندگی ہے۔ ہماری بلکہ دنیا کی عظیم الشان دریافت ہے" پروفیسر نے بھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا

"تو بتاؤ اس میں ہے کیا؟" ادریس نے کہا۔

"پہلے فلم دے دو"

ادریس نے فلم دے دی۔ حساب داں نے فلم پر کی سفید لکیریں ادریس کو دکھاتے ہوئے کہا:۔

"اس فلم میں جو یہ سفید لکیریں ہیں نا یہ وہ قیمتی دھات ہے جسے یورینیم کہتے ہیں۔ دنیا کو آج اس دھات کی ضرورت ہے۔ ہم نے اولکا کی رفتار ناپنے اور اس کی خصوصیت وغیرہ معلوم کرنے کے لیے ضروری آلات

پہلے ہی سے تیار رکھے تھے۔ جب اولکا زمین کے قریب سے گزر رہی تھی تو ہمارے کیمرے نے اس میں کی معدنیات کی تصویر کھینچ لی۔ چنانچہ دیکھو اس میں یورینیم ہے۔"

"ارے یورینیم کا باپ ہے" پروفیسر نے کہا "یہ میری دریافت ہے۔ حیرت انگیز دریافت، کمیاب بلکہ نایاب دھات کی دریافت۔ چنانچہ میں اس دھات کا نام اپنے نام پر رکھوں گا۔ چنانچہ یہ دھات اب یورینیم نہیں بلکہ بگڑینیم ہے۔"

جب دونوں بوڑھوں کی خوشی کم ہوئی تو پروفیسر ادریس کو ایک عجیب طرح کے کیمرے کے پاس لے گئے اور اسے، یعنی ادریس کو سمجھاتے ہوئے کہا:۔

"یہ کیمرہ میری نئی اور جدید ایجاد ہے۔ ستاروں میں کیا کیا معدنیات ہیں ان کی تصویریں کھینچنے کے لیے میں نے یہ کیمرہ بنایا ہے۔ لیکن اب تک یہ کیمرہ ستاروں کے اندر کی تصویریں کھینچنے میں ناکام رہا ہے۔ لیکن وہ اولکا زمین کے قریب سے گزری تو کیمرے نے اس کی تصویر کھینچ لی۔ فلم میں جو باریک اور بھورے رنگ کی لکیریں ہیں وہ کوئی دوسری دھات ہے۔ لیکن ان لکیروں کے بیچ میں جو سفید اور موٹی لکیریں ہیں وہ بگڑینیم کا پتہ دیتی ہیں۔"

اور پھر پروفیسر صاحب نے اپنے سینے پر دھا دھم مکے مار کر کہا:۔

"آج میں نے ایک زبردست دریافت کی ہے۔ اس اولکا تارے میں کیا ہے اس کی دریافت۔ اس میں بگڑینیم ہے۔"

"لیکن پروفیسر صاحب! وہ زلزلہ کیوں آیا؟ یہ بھی دریافت آپ نے کیا کہ نہیں؟"

"ہاں بے تنک یہ بھی میرے سوا کوئی نہیں جانتا" پروفیسر صاحب نے اپنا چڑے جیسا ذرا سا سینہ پھلایا" وہ اولکا یا تارا زمین کی طرف آرہا تھا اور وہ زمین کے قریب سے گزرا......"

"تو کیا وہ زلزلہ زمین اور اولکا کے ٹکراؤ سے پیدا ہوا تھا؟"

"ابے نہیں لڑکے! پوری بات سنتا نہیں اور بیچ میں ٹپ ٹپ کیے جاتا ہے" پروفیسر اگرم بگرم بگڑ گئے" اگر دونوں کا ٹکراؤ ہوگیا ہوتا تو دنیا کی تباہی یقینی تھی۔ لیکن اولکا زمین سے تیس ہزار میل کے فاصلے سے گزر گئی۔ اولکا سورج کا ایک ذرہ ہے، ایک چنگاری ہے جو اس میں سے جھڑ گئی ہے۔ اسی طرح جب اولکا زمین کے قریب سے گزر رہی تھی تو زمین کی کشش کی وجہ سے اس میں سے بھی ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گرا زمین پر۔ بس یہ زلزلہ اسی کا تھا۔"

ادریس خوشی سے اچھل پڑا۔ اسے ایسا موقع خدا دے" اس نے کہا:۔

"پروفیسر صاحب اگر آپ کا کہنا سچ ہے ــــ"

"ابے تو کیا مجھے جھوٹا سمجھتا ہے؟"

"اور واقعی اولکا کا ایک ٹکڑا زمین پر گرا ہے" ادریس نے پروفیسر صاحب کی خفگی کی پرواہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی" تو یقیناً وہ کہیں جم گیا ہوگا چنانچہ ہم اس کا کھوج لگا سکتے اور اس پر سے یا اس میں سے آپ کا یورینیم....."

"بگڑینیم" پروفیسر صاحب گرجے۔

"ہاں بگڑینیم حاصل کر سکتے ہیں۔"

"اوہو ہو۔ آہاہا" پروفیسر ایک بار پھر مارے خوشی کے ناچنے لگے" کیا

بات کہی ہے۔ کیا بات کہی ہے۔ تمھارا نام کیا ہے میاں؟"

"ادریس"

"ادریس! ادریس! نام کان آشنا ہے؟"

"ضرور کان آشنا ہوں گے کیونکہ میرے کارنامے کی اکثر داستانیں لکھنؤ کے ماہنامے کلیاں میں چھپتی رہتی ہیں"

"ہاں یاد آیا۔ یاد آیا۔ بے شک" پروفیسر صاحب خوش ہو گئے

"لیکن انھیں تو کوئی۔ کیا نام ہے؟۔ بھلا سا نام ہے۔ ہاں۔ کوئی مظہر الحق علوی لکھتا ہے؟"

"جی وہ میرے دوست ہیں اور میں اپنی مہمات کی روداد انھیں کو حرف انھیں کو سناتا ہوں"

"خوب۔ بہت خوب۔ تم تو بھائی ادریس! بڑے سمجھدار اور بہادر ہو۔ ہاں تو کیا کہا تھا؟ تم نے کہ ہم ادلکا کا کھوج لگا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں ہمیں تلاش کرنا چاہیئے کہ ادلکا کا وہ ٹکڑا کہاں گرا ہے"

"ٹھیک کہتے ہو۔ چنانچہ چلو اس کی تلاش میں"

"لیکن کہاں؟ اتنی بڑی دنیا ہے۔ پتہ نہیں اس کے کون سے حصے میں گرا ہے یہ ٹکڑا؟"

"ارے میاں کہیں نہ کہیں گرا ہی ہے۔ تلاش سے خدا بھی مل جاتا ہے"

"یہ سب صحیح۔ لیکن اس کا کچھ اتہ پتہ معلوم ہو تو۔۔۔۔"

"ٹھہرو" پروفیسر صاحب یوں چونکے جیسے انھیں کوئی بھولی ہوئی بات ایک دم سے یاد آگئی ہو۔ انھوں نے دوڑ کر ریڈیو چلا دیا۔

اناؤنسر کی آواز آئی۔

ہے۔ دنیا تباہ ہونے سے بال بال بچ گئی۔ لیکن زلزلہ ایسا آیا کہ کئی شہر ملبے کا ڈھیر بن گئے۔ ایک بہت بڑا سیارہ زمین کے بہت قریب سے گزر گیا۔ جب وہ زمین کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر دھرتی پر گرا۔ پتہ چلا ہے کہ سیارے کا یہ ٹکڑا تیس ڈگری عرض البلد شمال اور ستر ڈگری طول البلد مغرب کے آس پاس کسی برفستانی سمندر میں گرا ہے......"

پروفیسر صاحب نے اپنا سر پیٹ لیا۔

"ہائے ہائے میرا بگڑینیم تو سمندر میں جا پڑا۔ اب دنیا کو میری ذہانت کا پتہ کیسے چلے گا؟ میں مشہور کیسے ہو سکوں گا؟"

"لیکن یہ تو بتائیے پروفیسر صاحب کہ اونکا کا یہ ٹکڑا کتنا بڑا ہوگا؟" ادریس نے پوچھا۔

"زلزلہ زبردست تھا۔ چنانچہ یہ ٹکڑا کافی بڑا ہوگا۔"

"پھر بھی؟"

"ہو سکتا ہے کہ یہ ایک بہت بڑے اور اونچے پہاڑ جتنا ہو۔ ہائے ہائے بگڑینیم سمندر میں غرق ہو گیا۔ ہائے ہائے بگڑینیم ہائے"

پروفیسر صاحب کو سر پیٹتا چھوڑ کر ادریس باہر آ گیا۔

باہر سڑک پر جیسے سیلاب آیا ہوا تھا۔ زلزلے کی وجہ سے پانی کا کوئی بڑا پائپ ٹوٹ گیا تھا اور اس کا پانی نکل کر سڑک پر بہنے لگا تھا۔

ادریس نے کھیل ہی کھیل میں ایک اینٹ اٹھائی، اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر اسے ایک دم سے اچھال کر اپنے کتے سے بولا:۔

"ٹیلی! یہ اونکا کا ٹکڑا سمندر میں گر رہا ہے۔"

اینٹ چھپاک سے پانی میں گری۔

"ہاؤ۔ ہاؤ" جیکی نے کہا

ادریس پانی میں گری ہوئی اینٹ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر سر کھجا کر بولا:۔

"بعض دفعہ بڑے بڑے مسئلے کھیل میں حل ہو جاتے ہیں۔ صرف وقت آنے کی دیر ہوتی ہے — یہ اینٹ پانی میں پوری کی پوری ڈوبی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ایک حصہ پانی کے باہر ہے۔ اب اگر اولکا کا وہ ٹکڑا واقعی پہاڑ جتنا ہے تو وہ پورا غرق نہ ہوا ہوگا۔ بلکہ اس کی چوٹی سطح آب سے ابھری ہوئی ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو — ! تو — سورج، چاند، مریخ اور دوسرے سیاروں اور تاروں کے متعلق بہت سی نئی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا لینا چاہئے — ستارے روز روز زمین پر گرتے نہیں اور اولکا تو آج پہلی دفعہ ۔ ۔ ۔ ۔ "

اور وہ بھاگا رصد گاہ کی طرف۔ اس نے جاتے ہی کواڑ دھڑا دھڑ مارے۔ اسی آدمی نے دروازہ کھولا جو پہلے بھی کھول چکا تھا۔ ایک بار پھر ادریس کو سامنے دیکھ کر وہ چڑ گیا۔

"اب کیا ہے؟" وہ غرایا۔

"اولکا" ادریس نے جیسے زور سے "ہاؤ" کر دیا۔ اور اس آدمی کو دم بخود چھوڑ کر بھاگا اوپر۔

"سالو شوں مانس چھے" وہ آدمی گجراتی میں بڑبڑایا۔

"پروفیسر اور حساب داں دونوں سر پکڑے بیٹھے تھے۔

"پروفیسر صاحب!" ادریس نے چیخ کر کہا۔

پروفیسر صاحب اچھل پڑے۔

"کیا ہے بھائی ادریس؟" انھوں نے مُردہ آواز میں پوچھا۔

"آپ نے یہ کیسے کہہ دیا یقین سے کہ اولگا سمندر میں غرق ہو گئی؟"

"تو تمھارے خیال میں وہ سطح پر تنکے کی طرح تیر رہی ہوگی؟" پروفیسر صاحب نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آپ نے کہا ہے کہ وہ ایک بہت بڑے اور اونچے پہاڑ جتنی ہو سکتی ہے۔"

"ہاں۔"

"چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس کی چوٹی سمندر کی سطح سے باہر ہو۔"

"باہر ہو گیا۔ باہر ہی ہوگی۔" پروفیسر نے ایک دم سے خوش ہو کر ادریس کو گلے لگا لیا۔

"جیو ادریس جیو ــــ کیا کھوپری ہے تمھاری۔"

"تو پھر ہمیں اولگا کی تلاش میں چلنا چاہیے۔"

"ضرور چلنا چاہیے ــــ بے شک چلنا چاہیے ــــ ہم اسے تلاش نہ کریں گے تو کون تلاش کرے گا؟ ہم ہی تو اسے تلاش کریں گے۔"

"اور ظاہر ہے کہ آپ مجھے تو ساتھ لے ہی چلیں گے۔"

"ضرور ــــ تمھارا ہمارے ساتھ چلنا بہت ضروری ہے۔"

(۴)

اولگا کون ہے سمندر میں گری ہے؟ پروفیسر اگرم بگڑم نے اس

سوال کو حل کرنے کے لیے دن کا آرام اور رات کی نیند اپنے اوپر حرام کرلی اور آخرکار اس کے محل وقوع کا اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگئے۔

پروفیسر صاحب نے اب اعلان کر دیا کہ وہ اولکا کی کھوج میں جارہے ہیں۔ ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں اس اعلان سے دھوم مچ گئی سائنس کے میدان کے مانے ہوئے سائنس داں اس کی کھوج میں پروفیسر صاحب کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئے اور یوں ایک کھوج پارٹی تیار ہوگئی۔

مہم زبردست، خطرناک اور جان لیوا تھی۔ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ انجام کیا ہوگا۔ پتہ نہیں کسی کو زندہ واپس آنا نصیب ہوگا بھی یا نہیں۔ لیکن خطرات سے کھیلنا اور موت سے پنجہ لڑانا تو ادریس کی زندگی ہی تھی۔ رہے پروفیسر صاحب تو دریافت کی دھن میں انھیں کسی بات کی پروا ہی نہ تھی۔

اس مہم میں حکومت نے بھی پروفیسر صاحب کی ہر طرح مدد کی اور ایک عمدہ اور تیز رفتار جہاز اس مہم جو پارٹی کے لیے حکومت نے فراہم کردیا اس جہاز کا نام پروفیسر اگرام بگڈیم نے "اولکا رانی" رکھا۔

مقررہ دن ادریس تیار ہوکر "اولکا رانی" پر پہنچا۔

جب وہ وہاں پہنچا ہے تو ایک انجانا شخص چوروں کی طرح جہاز پر سے اُتر رہا تھا۔ ادریس ٹھٹھک کر کھڑا رہ گیا۔ وہ شخص نیچے اتر کر بھاگا ایک طرف۔ ادریس کو شک ہوا کہ اس آدمی کا ارادہ یقیناً نیک نہ تھا۔ اور نہ ہی اس کا تعلق مہم جو پارٹی سے ہو سکتا تھا۔ ضرور کچھ گڑبڑ تھی، ضرور کوئی سازش تھی۔

چنانچہ وہ بھاگا اس انجان شخص کے پیچھے۔ لیکن پتہ نہیں وہ کہاں غائب ہو گیا۔

"کون ہو سکتا ہے وہ آدمی؟" ادریس نے سوچا "یقیناً ہمارے گروہ کا نہیں۔ یوں چوری چھپے جہاز سے اتر کر بھاگنے کا کیا مطلب؟ کہیں کوئی سازش تو نہیں ہمارے خلاف ــ؟ کہیں ہمارے جہاز کو اڑا دینے کے لیے بم وغیرہ تو نہیں رکھ دیا کسی نے؟"

اس خیال کے آتے ہی وہ بھاگ کر جہاز پر چڑھ گیا اور کپتان کے کیبن کی طرف بھاگا۔ لیکن ابھی وہ عرشے پر ہی تھا کہ آسمان کی بلندیوں پر سے صدا آئی:۔

"قیامت ــ قیامت آگئی ــ یہ نہ سمجھو کہ تم بچ گئے ہو ــ تم بچے نہیں ہو ــ تم بچ نہیں سکتے ــ تم سب کے سب ختم ہو جاؤ گے"۔

عین اس وقت ایک دوسرا آدمی جہاز کے ایک گوشے سے نکل کر اس طرف بھاگتا دکھائی دیا۔ جس طرف جہاز سے نیچے اترنے کا راستہ تھا۔ جہاز پر سے اترنے کے لیے بندرگاہ کے پلیٹ فارم تک جو تختہ لگایا جاتا ہے اسے "گینگ وے" کہتے ہیں۔ یہ دوسرا آدمی اسی گینگ وے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔

"یہ اس پہلے آدمی کا ساتھی ہو سکتا ہے" ادریس نے سوچا۔ اور وہ اس کے پیچھے بھاگا۔ بھاگتے ہوئے اجنبی کو پتہ نہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اور بھی تیز بھاگنا شروع کر دیا۔

ادریس نے بھی اپنے بھاگنے کی رفتار تیز کر دی لیکن ــ "دھڑام"

عرشے پر رکھے ہوئے ایک موٹے رسّے میں ادریس کا پیر الجھ گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی، سنبھل نہ سکا اور ایک نہیں بلکہ ڈیڑھ قلابازی کھا کر گرا اور اتنے زور سے کہ اس کا بھیجا ہل گیا اور آنکھوں کے سامنے لال پیلے دھبّے ناچ گئے۔

ادریس نے جلدی جلدی رسّے میں سے اپنا پیر چھڑایا اور ہڑبڑا کر جیکی سے بولا:۔

"جیکی میرے دوست! دیکھا تم نے: رسّے ہمیشہ پھانسی ہی نہیں دیتے بلکہ جان بھی بچاتے ہیں۔ اس رسّے نے اس بھاگنے والے کی جان بچا لی۔ اگر یہ یہاں نہ ہوتا تو میرا پیر اس میں نہ الجھتا اور وہ، جو نہ جانے کون تھا اور کس ارادے سے ہمارے جہاز پر آیا تھا، بچ کر نہ جا سکتا۔"

لیکن اس وقت جیکی کو ادریس کی بات سننے کی اور جواب میں "بھوں بھوں" کرنے کی فرصت نہ تھی۔ اسے کسی چیز کی بو آ رہی تھی۔ چنانچہ وہ "فوں۔ فوں" کرتا آہستہ آہستہ ایک طرف جا رہا تھا۔

ادریس نے اٹھ کر کپڑے جھاڑے اور ادھر ادھر دیکھا۔ اس شخص کا کہیں پتہ نہ تھا، جس کا تعاقب اس نے شروع کیا تھا۔ ادریس دوڑ کر اس پٹھان کے پاس پہنچا جو ہاتھ میں موٹا ڈنڈا لیے کھڑا اپنی گھنی مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

"السّلام علیکم" ادریس نے کہا۔

"وعلیکم" پٹھان بولا۔

"تم اس جہاز کے پہرے دار ہو؟"

"ہاں۔"

"یہاں کسی مشکوک آدمی کو دیکھا ہے تم نے؟"

"نہیں۔"

"بہت دیر سے پہرہ دے رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"کسی قسم کی سازش کی، فریب کی بو نہیں آئی تمھیں؟"

"نہیں۔"

"جو لوگ جہاز پر سوار ہوئے ہیں۔ ان سب کے متعلق تم اپنا اطمینان کر لیا ہے؟"

"ہاں۔"

"کوئی دوسری طرف سے تو کوئی جہاز پر نہیں چڑھا؟"

"نہیں۔"

پہرے دار کی اس 'ہاں' اور 'نہیں' سے ادریس چڑ گیا۔

"جہاز کے کپتان خلیل صاحب اپنے کیبن میں ہیں؟"

"ہاں"

ادریس اور بھی چڑ گیا۔

"وہ وہاں کیا کر رہے ہیں — ناخن تراش رہے ہیں؟"

"نہیں۔"

"غنیمت ہے"

ادریس جہاز کے کپتان خلیل صاحب کے کیبن کی طرف چلا کپتان خلیل بوڑھے اور معتبر جہازراں تھے۔ عرب تھے۔ اور جہازرانی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ بے حد ہوشیار، بہادر، قدرے غصیلے اور جلد باز۔

جل پری کی مہم کے وقت ادریس کی ان سے ملاقات بر سر راہ ہوئی تھی تب سے وہ ادریس کو اور ادریس انھیں نہ صرف جانتے تھے بلکہ دونوں کے تعلقات بڑے گہرے ہو گئے تھے۔

"السلام علیکم" ادریس نے کیبن کا دروازہ کھول کر کہا۔

"وعلیکم السلام" کپتان خلیل کی آواز گونج اٹھی "آؤ ادریس۔ آؤ بھئی آؤ"

"سب سلامت؛ کپتان صاحب"

"سب سلامت"

"نہیں کپتان صاحب"

کپتان خلیل نے سوالیہ نظروں سے ادریس کی طرف دیکھا۔

"سب سلامت نہیں ہے کپتان صاحب! ایک زنجبار کے آدمی کو میں نے جہاز پر سے بھاگتے اور دوسرے جہاز پر لپکا جاتے دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ میں ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نہ پکڑ سکا۔ مجھے تو کوئی سازش معلوم ہوتی ہے"

کپتان خلیل چونکے۔

"کیا کہہ رہے ہو ادریس؟"

"سچ کہہ رہا ہوں" کہیں کوئی گڑبڑ ہے"

"لیکن ہم سے کسی کو کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"یہ تو پتہ نہیں، لیکن کچھ ہے ضرور"

ٹھیک اسی وقت جیکی کیبن میں گھس آیا اور ادریس کی پتلون کا پائنچہ پکڑ

ع یہ طویل اور سنسنی خیز کہانی نسیم بکڈپو لکھنؤ سے چھپ گئی ہے۔

کر کھینچنے لگا۔

"کیا بات ہے جیکی؟" ادریس نے پوچھا۔

"ہاؤ۔ ہاؤ۔ بھوں" جیکی بولا۔

"میں سمجھتا ہوں تمہارا یہ کتا ہمیں کچھ بتانا چاہتا ہے" کپتان خلیل نے کہا "دیکھیں کیا بات ہے؟"

جیکی ہاؤ۔ ہاؤ کرتا آگے بھاگا۔ اور اس کے پیچھے چلے ادریس اور کپتان خلیل۔

عرشے پر ایک جگہ بہت سے رسّے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے قریب پہنچ کر جیکی زور سے بھونکنے لگا۔ کپتان اور ادریس دوڑ کر وہاں پہنچے تو سنّاٹے میں آ گئے۔

وہاں ایک لمبی دم والا اور یہ موٹا پٹاخہ پڑا ہوا تھا۔ جس کی دم کچھ دیر پہلے سلگ رہی ہو گی۔ لیکن اب بجھ گئی تھی۔ کیونکہ کسی نے قریب رکھا ہوا پانی کا ڈول اس پر اوندھا دیا تھا۔ جیکی ڈول کی طرف منہ کر کے بھونک رہا اور دم ہلا رہا تھا۔

"اوہ — سمجھا" ادریس نے کہا "تو تم نے ڈول اوندھا کر اسے بجھا دیا؟ شاباش جیکی! شاباش!!"

کپتان خلیل نے جھک کر پٹاخہ اٹھا لیا۔

"جس اُلّو کے پٹھے نے یہ پٹاخہ یہاں چلانے کی کوشش کی ہے میں اس کا پلیتھن نکال دوں گا" کپتان خلیل کا غصہ بھڑکا۔

"کپتان صاحب! یہ پٹاخہ نہیں ہے" ادریس نے کہا

"تو پھر کیا ہے؟"

"شاید بم ہے"

"ایں!"

"کسی بدمعاش نے یہ بم ہمارے جہاز پہ سلگایا تھا اور عین اس جگہ رکھا تھا جہاں خود ہمارا گولا بارود ہے۔ اگر جیکی نہ ہوتا تو ہماری اداکارانی کے پرخچے اور اس کے ساتھ خود ہمارے چیتھڑے اڑ جاتے"

"کون ہے وہ سور۔ میں ابھی اس نالائق کا بم پھوڑ دیتا ہوں" اب کپتان خلیل کا غصہ قابو سے باہر تھا اور خود کپتان خلیل بھی آپے سے باہر تھے۔

کپتان خلیل عرشے پر دوڑ نے اور ایک ایک آدمی کو غور سے دیکھنے لگے۔ یکایک ان کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کیبن کے اندھیرے میں جیسے دبکا ہوا تھا۔

کپتان بھاگے اس طرف اور اندھیرے کیبن میں گھس کر دیکھے بھالے بغیر اس شخص کو ایک دم سے دھنکنا شروع کر دیا۔

ادریس جب وہاں پہنچا ہے تو کیبن میں دھم پچھاڑ ہو رہی تھی اور کپتان خلیل گرج رہے تھے۔

"الو کی دم، پاجی، گدھے کی ٹانگ، بدمعاش، اود بلاؤ، غدار، اونٹ کی مینگنی، گنہگار —— تو ہمارا جہاز اڑا دینا چاہتا تھا، ابے الو نے سمجھ کیا رکھا ہے؛ پلپتھن نکال دوں گا تیرا —— بھرتا بنا دوں گا ——"

کپتان خلیل اس شخص کو گھسیٹ کر باہر لائے۔

"دیکھو ادریس! یہ ہے وہ بدمعاش" اور کپتان نے اس کے سر پر ایک دھول رسید کر دی۔

ادریس نے اس آدمی کو دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔

"کپتان خلیل! چھوڑ دو انھیں" وہ گھبرا کر بولا۔

"چھوڑ دوں — ایں! — چھوڑ دوں — کیوں چھوڑ دوں — میں تو اس بڈھے کی کھوپڑی کا بم پھوڑ دوں گا — کمبخت کی سفید داڑھی اور سفید بال دیکھو اور کرتوت دیکھو"

"ارے کپتان! یہ تو تم اندھا مار رہے ہو۔ یہ ۔ ۔ ۔ ۔"

"ارے اب میں مار مار کر اس نالائق بڈھے کو اندھا ہی کر دوں گا"

اور کپتان خلیل نے قریب پڑا ایک ڈنڈا اٹھا لیا۔

"کپتان خلیل! بات سمجھو۔ یہ بڑے میاں کوئی اور نہیں بلکہ ہماری کھوج پارٹی کے سربراہ پروفیسر اگڑم بگڑم ہیں"

"کپتان خلیل نے گھبرا کر پروفیسر صاحب کو چھوڑ دیا۔

"ایں، پروفیسر صاحب! معافی چاہتا ہوں، میں نے آپ کو پہچانا نہیں لیکن آپ وہاں اندھیرے میں کیا کر رہے تھے؟"

"تیری قبر تلاش کر رہا تھا" اب پروفیسر صاحب کے غصے کا لاوا ابلا "گدھے کی دم، احمقوں کے سردار، ذلیل، پاگل، دیوانے، مجنون، صحرا کے شیطان، بدّو، اونٹ کی لید"

اور پھر خدا جانے کیا سمائی پروفیسر صاحب کی کھوپڑی میں کہ وہ کپتان سے لپٹ گئے اور بولے:۔

"چلو۔ یہ خوب ملاقات ہوئی۔ عمر بھر یاد رہے گی"

"لیکن پروفیسر صاحب آپ وہاں اندھیرے میں کیا کر رہے تھے؟" کپتان نے پوچھا۔

"ارے بھئی۔ اس طرف سے گزر رہا تھا کہ میری عینک کمبخت ناک پر سے پھسل گئی۔ ایک تو اندھیرا۔ اوپر سے عینک نہ ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں اندھیرا۔ بس عینک تلاش کر رہا تھا کہ تم بھوت کی طرح مجھ پر پل پڑے اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں، مجھے دھائیں دھائیں دھکّے ہی لگے۔ لیکن یہ تم کو کیا سوجھی کپتان؟"

"میں نے آپ ہی کو گنہگار سمجھ لیا"

"گنہگار، کیسا گنہگار؟"

"کوئی بدمعاش ہمارے جہاز پہ بم رکھ گیا تھا"

"کیا۔ آ۔ آ۔ ؟"

"کسی کا ارادہ ہماری اولکارانی کو اڑا دینے کا تھا" ادریس نے کہا۔

"اولکارانی کو اڑا دینے کا" پروفیسر صاحب نے اپنے نقلی دانت پیسے "میرا کوئی حریف پیدا ہو گیا ہے نا ایں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں بگرینیم کو تلاش نہ کروں۔ کہاں ہے وہ بم؟"

"آئیے"

تینوں وہاں پہنچے جہاں بم تھا۔

لیکن کپتان اور ادریس بھونچکے رہ گئے۔ ڈول موجود تھا۔ پانی بھی عرشے پر پڑا ہوا تھا۔ لیکن بم غائب تھا۔ جب کپتان اور ادریس پروفیسر صاحب کو مجرم سمجھ کر اس طرف گئے تھے تو کوئی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ بم، سازش کا وہ ثبوت اٹھا لے گیا تھا۔ لیکن اب دو باتیں تو ثابت ہو چکی تھیں۔

"ایک ۔ کوئی ان کا دشمن پیدا ہو گیا تھا ۔
دو ۔ وہ دشمن یا اس کا کوئی آدمی اولکارانی پر موجود تھا ۔
"میرے اور میرے بڑے نیم کے دشمن ۔ اس بندرہ کے میں ٹکڑے اڑادوں گا"
پروفیسر صاحب نے دانت پیسے ۔
"اور میرے جہاز پر یہ جال بچھانے والے کو میں تلاش کروں گا"
کپتان نے اعلان کیا ۔
نہیں اس وقت گھنٹا بجنے لگا
ٹھن ٹھن ۔ ٹھنا ٹھن "

(۵)

"یہ تو جہاز کا گھنٹا بج رہا ہے" کپتان نے کہا "کوئی مجھے بلا رہا ہے"
اور کپتان خلیل بھاگے بلند عرشے کی طرف ۔ اور لیس ان کے پیچھے بھاگا ۔
جب وہ پٹھان پہرے دار کے قریب سے گزر رہا تھا تو اس نے رک کر اس
سے پوچھا :۔
"خان ! وہ وہاں اس جگہ سے جہاں ڈول اوندھا پڑا ہوا تھا تم نے
کوئی چیز تو نہیں اٹھائی ؟"
"نہیں "
"یقین سے کہتے ہو ؟"
"ہاں "
"یہاں سچ مچ کوئی انجان آدمی نہیں آیا ؟"

"نہیں"

"ارے خاں صاحب! جہاز پر کچھ گڑبڑ ہے۔ یاد کرو۔ کچھ یاد آ رہا ہے؟"

"نہیں"

"توبہ ہے۔ کیا حافظہ ملا ہے۔ ہاں اور نہیں سے آگے بڑھتا ہی نہیں کمبخت"

اور وہ بھاگ کر بلند عرشے پر پہنچا۔ کپتان خلیل کھڑے سر کھجا رہے تھے

"کیا ہوا؟" ادریس نے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا" کپتان خلیل بڑبڑائے۔

"کیا سمجھ میں نہیں آتا؟"

"یہاں کوئی ہے نہیں پھر گھنٹہ کس نے بجایا؟"

"اگر میں بھوت پریت میں یقین رکھتا تو کہتا کسی بھوت نے"

عین اس وقت نیچے سے کسی نے چیخ کر کہا:۔

"کپتان صاحب! کپتان صاحب!!"

کپتان خلیل اور ادریس دوڑ کر جنگلے کے قریب پہنچے اور نیچے دیکھا۔ نیچے ماہر حجریات اوٹ پٹانگ صاحب منہ اٹھائے کھڑے تھے۔ انھوں نے کپتان کو دیکھ کر کہا:۔

"کپتان صاحب! فوراً نیچے آئیے۔ ایک بے حد اہم بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں"

کہیں اوپر سے ایک وزنی ٹرنک آیا اور دھڑام سے اوٹ پٹانگ صاحب کے سر پر گرا۔ اوٹ پٹانگ تیورا کر گرے۔ ان کی حالت

اوٹ پٹانگ ہو گئی۔

"کپتان! جلدی سے نیچے چلو۔ اوٹ پٹانگ صاحب یقیناً ہمیں کوئی اہم اطلاع دینا چاہتے ہیں۔"

"اور اس سے پہلے کہ وہ ہمیں اطلاع دیتے" کپتان خلیل نے کہا "ان کے سر پر یہ ٹرنک پھینک مارا۔"

دونوں دوڑ کر نیچے پہنچے۔ انھوں نے پروفیسر اوٹ پٹانگ کو اُٹھایا، لیکن اس وقت پروفیسر اگڑم بگڑم دوڑے آئے۔ انھوں نے اوٹ پٹانگ کی نبض دیکھ کر اعلان کیا:

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ پروفیسر اوٹ پٹانگ اللہ کو پیارے نہیں ہوئے۔ صرف بے ہوش ہو گئے ہیں۔"

ادریس نے ٹرنک کی طرف دیکھا تو چونکا۔

"کپتان صاحب!" وہ بولا۔

"کیا؟"

"یہ دیکھو یہ ٹرنک تو میرا ہے۔"

"اچھا"

"کسی نے ٹرنک کھول کر میری چیزوں کی تلاشی لی ہے اور اس کے بعد ہی یہ ٹرنک پروفیسر اوٹ پٹانگ کے سر پہ دے مارا ہے۔"

اور تب آسمانوں سے وہی آواز سنائی دی:۔

"قیامت آگئی ہے۔ قیامت قریب ہے۔ تم بچے نہیں ہو۔ کوئی نہ بچے گا۔ تم سب کی موت یقینی ہے۔"

"پروفیسر اوٹ پٹانگ کو میرے کیبن میں پہنچا دو" کپتان خلیل نے

ملاحوں سے کہا۔

پھر وہ، ادریس اور پروفیسر اگڑم بگڑم بھاگ کر درمیانی عرشے پر پہنچے۔

اور یہاں انھوں نے ایک عجیب تماشہ دیکھا۔

جہاز کے درمیانی ستون کی عین چوٹی پر اور یہ ستون دیدبان تھا، ایک ادل جلول بوڑھا گھنٹہ لیے کھڑا تھا۔ ادریس نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی بوڑھا تھا جو زلزلے کی رات قیامت آنے کی منادی کر رہا تھا۔

"یہ یہاں کیسے آگیا؟" ادریس نے حیرت سے کہا۔

اور یہ بوڑھا اتنی بلندی پر تھا کہ اس کا صحیح سلامت نیچے اترنا ممکن نظر نہ آتا تھا۔ اس نے اعلان کیا:۔

"قیامت قریب ہے"

اور اس نے اپنے لباس میں سے یہ بڑا بم نکالا، ویسا ہی جیسا وہ بم تھا۔ اس نے پٹاخے کا فتیلہ سلگایا۔

اور سب کے حواس باختہ ہو گئے۔ پروفیسر اگڑم بگڑم خوفزدہ ہو کر بھاگے ایک طرف۔ اور کپتان غلیل دیوانوں کی طرح ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ رہا ادریس تو وہ دوڑ کر ستون کے قریب پہنچا اور اوپر سے نیچے تک لٹکتی ہوئی رسی کی سیڑھی پکڑ کر جلدی جلدی اوپر چڑھنے لگا۔

"ہاں ہاں قیامت آگئی ہے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کر لو" بوڑھے نے اوپر سے کہا "اور میں وہ فرشتہ ہوں جو خدا کے حکم سے قیامت نازل کرنے جا رہا ہوں"

ادریس اور بھی تیزی سے اوپر چڑھنے لگا اور ابھی وہ نصف سیڑھی

پڑھا تھا کہ اس بوڑھے نے ایک بھیانک قہقہہ لگا کر وہ پٹاخہ پھینکا۔

پٹاخہ تڑاخ سے ادریس کی کھوپڑی سے ٹکرایا اور گھڑی بھر کے لیے ادریس کی نظروں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ وہ تو خیریت گزری کہ پٹاخے کا نچلا حصّہ ادریس کے سر پہ لگا تھا۔ اگر کہیں سلگتا ہوا فتیلہ اس کے سر پہ لگا ہوتا تو اس کے بال سلگ اٹھتے۔

پٹاخہ ادریس کے سر سے ٹکرا کر نیچے سمندر میں جا پڑا۔

اور سب نے اطمینان کا سانس لیا۔

ادریس کے حواس بجا ہوئے تو اس نے پھر اوپر چڑھنا شروع کیا۔ بوڑھے نے ادریس کو آتا دیکھا تو "قیامت، قیامت" چیختا وہ بھی اوپر چڑھنے لگا۔

ادریس نے بوڑھے کو اوپر چڑھتے دیکھا تو ٹھٹھک گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ شخص آخر چاہتا کیا ہے؟ پھر یہ ہے کون کہ اسے اپنی جان تک کی پروا نہیں؟ یہ ستون کی چوٹی تک تو پہنچ نہ سکے گا۔

عرشے پر کھڑے ہوئے لوگ دم بخود تھے۔

ادریس اوپر چڑھنے لگا۔

بوڑھا ستون کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اب اس کی موت یقینی تھی۔

عین اس وقت ایک بلند اور گمبھیر آواز سنائی دی:۔

"اے خدا کے فرشتے! بس اب نیچے اتر آؤ۔ فی الحال ہم نے قیامت نازل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ چنانچہ اب تم نیچے اتر آؤ لیکن دیکھو احتیاط سے اور سنبھل کر اترنا۔ اپنا ہاتھ یا پاؤں یا گردن نہ توڑ بیٹھنا۔ کیونکہ تم ہمیں بہت عزیز ہو۔"

"جو حکم ۔۔ جو حکم" بوڑھے نے کہا۔

اور وہ حیرت انگیز بلکہ خطرناک تیزی سے نیچے اترنے لگا۔

ادریس نیچے اتر کر کپتان خلیل کے پاس پہنچا اور دونوں بھاگے بلند عمارت کی طرف۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ پولیس کے بہت سے آدمی کھڑے ہوئے تھے اور ایک انسپکٹر کے ہاتھ میں بیٹری لگا بھونپو تھا۔ اسی نے بوڑھے کو نیچے اترنے کو کہا تھا۔

"ارے بھائی! یہ کیا گھٹالا ہے؟" کپتان خلیل نے انسپکٹر سے پوچھا۔

"کپتان صاحب یہ بوڑھا ایک پاگل ہے۔" انسپکٹر نے کہا "دو دن پہلے یہ کسی طرح پاگل خانے سے بھاگ نکلا۔ تب سے وہ گلی گلی قیامت کا اعلان کرتا پھر رہا ہے۔ کمبخت اپنے آپ کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ سمجھتا ہے۔ اگر اس وقت اس بھونپو کے ذریعے میں نے یہ الفاظ نہ کہے ہوتے اور اس نے ان الفاظ کو خدا کی طرف سے نہ سمجھا ہوتا تو وہ ستون پر سے شاید نہ اترتا اور اپنی جان دے دیتا۔"

"یہ تو بھائی بسم اللہ ہی غلط ہو گئی ہے" کپتان خلیل نے کہا "ابھی تو جہاز روانہ ہوا نہیں اور ایسی گڑبڑ مچ گئی۔ شگون اچھے نہیں ہوئے۔"

اس عرصے میں وہ بوڑھا نیچے اتر آیا تھا۔ پولیس والے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے باندھ بوندھ کر لے گئے۔

اس طرف سے مطمئن ہو کر کپتان اور ادریس اوٹ پٹانگ کی خیریت معلوم کرنے کپتان کے کیبن میں پہنچے۔

"کپتان صاحب! آپ پروفیسر صاحب کو ہوش میں لانے کی کوشش کیجئے۔ تب تک میں جا کر دیکھتا ہوں کہ میرے ٹرنک میں سے کیا چیز گم ہوئی۔" ادریس نے کہا اور بھاگا نیچے کی طرف جہاں اب تک اس کا ٹرنک پڑا ہوا تھا۔

اس طرف پروفیسر اوٹ ٹیانگ کو ہوش آگیا تھا۔ انھوں نے کچھ کہے بغیر اپنی جیب میں سے ایک کاغذ نکال کر کپتان خلیل کے ہاتھوں میں تھما دیا۔

کاغذ تہ کیا ہوا تھا۔ کپتان نے اسے کھولا۔ یہ رقعہ تھا۔ اس پر کی تحریر پڑھتے ہی کپتان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ادھر ادریس نے اپنے ٹرنک کی چیزوں کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ کئی ایک ضروری کاغذات اور اہم نقشے گم تھے۔ اسے بھی ٹرنک کی تہ میں سے ایک رقعہ ملا۔ لکھا تھا:۔

"ادریس تم بہادر اور دلیر ہو۔ لیکن بہتر ہو گا کہ تم اس مہم پر نہ جاؤ اور کسی کو بھی نہ جانے دو۔ چاہے کسی اور کے لیے قیامت نہ آئی ہو۔ لیکن اگر تم لوگ اپنی مہم پر روانہ ہوئے تو کوئی جانے گا بھی نہیں کہ تم کون تھے اور کہاں گئے؟ سمندر نے نگل لیا یا آسمان نے اٹھا لیا۔ بہتری اسی میں ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ ورنہ یورینیم یا گریفائٹ کے تر ملنے سے رہا۔ تم سب کے سب غرق تیلیم ہو جاؤ گے۔

نیچے کسی کے دستخط نہ تھے۔

ادریس یہ گمنام خط لے کر دوڑا کپتان کے کیبن کی طرف۔ ادھر سے کپتان خلیل وہ خط لیے، جو انھیں پروفیسر اوٹ ٹیانگ نے دیا تھا ادریس کی تلاش میں بھاگے آ رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادریس اور کپتان خلیل گھبراہٹ میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ اور گرتے

اوپر تلے۔

دونوں جلدی سے اٹھے، جلدی جلدی ایک دوسرے سے معافی مانگی اور دونوں نے ایک ساتھ کہا:۔

"خط"

پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ اور تب ادریس نے اپنا خط کپتان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:۔

"کپتان! یہ دیکھو"

"ادریس! تم یہ دیکھو" کپتان نے بھی خط اس کی طرف بڑھایا۔

ادریس نے جو خط دیا تھا اسے پڑھ کر کپتان خلیل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

اور کپتان نے جو خط دیا تھا اسے پڑھ کر ادریس کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

دونوں کے چہرے سوالیہ نشان بن گئے تھے۔

اولکا رانی کا لنگر اٹھایا جائے کہ نہیں:

جانے کون ہے یہ دشمن؟؟؟

(۶)

حیرت کی بات تھی اور پریشانی کی بھی۔

ادریس کو اس گمنام خط کے ذریعے دھمکی دی گئی تھی کہ اس مہم پر اگر روانہ

ہوئے تو غرقینیم"
اب ادریس نے وہ خط پڑھنا شروع کیا جو اسے کپتان خلیل نے دیا تھا۔

"... دنیا کا زبردست جہاز "سمندری دیو" روانہ ہو چکا ہے۔ کہاں سے؟ کونسی بندرگاہ سے؟ یہ تم لاکھ سر ٹپکنے کے باوجود معلوم نہ کر سکو گے۔ چنانچہ مناسب ہوگا کہ تم اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے لیے صرف یہی جان لینا کافی ہے کہ "سمندری دیو" اولکا کی تلاش میں روانہ ہوا ہے۔ "سمندری دیو" اولکا کا کھوج لگائے گا اور اس میں سے زنگار قیمتی حاصل کرے گا۔"

پروفیسر اگرام بگرام قریب ہی کھڑے ادریس کو خط پڑھتے سن رہے تھے ابھی ادریس خط پورا پڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ پروفیسر صاحب ایک دم سے دیوانوں کی طرح بھاگے اور انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جہاز کی سیٹی بجا دی۔

کپتان خلیل دوڑ کر پروفیسر صاحب کے پاس پہنچے۔

"پروفیسر صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟"

"دیکھ نہیں رہے ہو کہ جہاز کی سیٹی بجا رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"بس لنگر اٹھاؤ فوراً۔"

"لیکن بندرگاہ پر لوگوں کی کثیر جمع ہے۔ وہ سب پھولوں کے ہار وغیرہ لے کر ہمیں رخصت کرنے آئے ہیں۔ الوداع کی رسم..."

"ارے کپتان! اب یہ ساری رسمیں ڈانو چولہے میں۔ ہم ناکام واپس

لوٹنا نہیں چاہتے۔ اس وقت تو لوگ ہمیں پھولوں سے رخصت کریں گے لیکن جب ہم اپنا سائنہ لے کر واپس ہوں گے تو جوتوں سے ہمارا استقبال کریں گے"

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا؟"

"وہ خط ــ وہ خط ــ "سمندری دیو" نامی کوئی الّو کا پٹّھا جہاز اولکا کی تلاش میں ہم سے پہلے ہی روانہ ہو چکا ہے" پروفیسر صاحب بے حد گھبرائے ہوئے تھے "وہ سمندری دیو اگر ہم سے پہلے اولکا تک پہنچ گیا تو پھر ہماری کیا عزت رہ جائے گی؟ تم یہاں بیٹھے الوداعی رسومات ادا کرتے رہے اور وہ گدھا سمندری دیو بھق بھق کرتا روانہ بھی ہو گیا اگر کہیں وہ اولکا تک پہنچ گیا تو میری اگلی پچھلی زندگی محض بیکار ہو جائے گی، میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ حتّیٰ کہ اپنے آپ کو بھی نہیں۔ لنگر اٹھاؤ"

"نہیں"

"ابے لنگر اٹھا۔ ہم کہتے ہیں..." پروفیسر صاحب بگڑے۔

"ابے تبے نہ کرو پروفیسر صاحب!" کپتان خلیل کو بھی غصّہ آگیا "اس جہاز کا کپتان میں...."

کپتان خلیل اپنا فقرہ پورا نہ کر سکے۔ جہاز نے ایک جھٹکا کھایا اور کپتان صاحب، جو بے خبر کھڑے ہوئے تھے، پر کٹے طوطے کی طرح پھڑ پھڑا کر عرشے پر چت گرے۔ پروفیسر صاحب خوشی سے ناچنے لگے۔ کیونکہ جہاز نے لنگر اٹھا دیا تھا۔

بندرگاہ پر کھڑے ہوئے لوگ جہاز کی اس اچانک روانگی سے حیران

رہ گئیں ۔

ادلکا رانی نے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پہلے ہی لنگر اٹھا دیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے ۔۔۔؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسے ہوا" کپتان خلیل

پروفیسر اگڑم بگڑم کو ناچنا چھوڑ کر بھاگے ایک طرف ۔

راستے میں ان کی مڈبھیڑ ادریس سے ہو گئی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" کپتان نے ادریس سے کہا "میری تو عقل

حیران ہے۔ لنگر اٹھانے کا حکم کس نے دیا؟"

"آپ نے" ادریس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

"میں نے؟ میں نے کہاں دیا ہے حکم۔ یا تو میں پاگل ہو گیا ہوں یا

دنیا پاگل ہو گئی ہے"

"کوئی پاگل نہیں ہوا"

"پھر میں نے تو لنگر اٹھانے کا حکم نہیں دیا"

"ٹھیک ہے۔ لیکن آپ کی طرف سے میں نے حکم دیا تھا۔ چنانچہ..."

"چنانچہ کی ایسی کی تیسی۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کپتان میں ہوں اور جیسا

میں کہوں گا ویسا ہی ہوگا۔ میں جہاز کو واپس لے چلنے کا حکم دیتا ہوں"

"کپتان صاحب! آپ ایسا کوئی حکم نہ دیں گے"

"ورنہ کیا کرو گے تم؟ دھمکی دے رہے ہو مجھے"

"نہیں بھئی۔ بات کو ذرا سمجھو کپتان"

"کیا خاک سمجھوں"

"سنو! سمندری دیو ہم سے پہلے۔ شاید بارہ تیرہ گھنٹے پہلے روانہ ہو چکا

ہے۔ اور ۔۔۔ زنگار نیم کا مطلب سمجھے ہیں آپ؟"

"نہیں میں تو گدھا ہوں۔ چنانچہ تم ہی سمجھاؤ۔"

"اولکا بہ جو دھات ہے۔ اس کا نام پروفیسر اگرم بگڑم نے اپنے نام پر بگڑنیم رکھا"

"چلو رکھا"

"اسی طرح زنگارو نے اس دھات کا نام اپنے نام پر زنگارنیم رکھا"

"ایں ___" کپتان خلیل پہلی دفعہ چونکے "تمہارا مطلب ہے وہ ___ سمندری دیوے کر زنگارو روانہ ہوا ہے۔"

"بالکل۔ دنیا کا چھپا ہوا سائنس دان اور مشہور ترین شیطان زنگارو اور یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ زنگارو دنیا پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"الو کا پٹھا، شیطان کا بچہ، اونٹ کی دم، دنبے کی چکی۔" کپتان خلیل نے زنگارو کو خطابات عنایت کیے۔

کپتان خلیل نے دوڑ کر سٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر اولکا رانی کی رفتار اتنی تیز ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سمندر پر تیر نہیں رہا ہے بلکہ پرواز کر رہا ہے۔

"ادریس!" کپتان نے کہا "ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔ لیکن میں سمندری دیو کو آگے نہ جانے دوں گا۔ پھر وہ بارہ گھنٹے پہلے روانہ ہوا ہو یا بارہ سو گھنٹے پہلے"

"کپتان خلیل! یہ نہ بھولو کہ مقابلہ زنگارو سے ہے۔"

"زنگارو چھوڑ زنگارو کے باپ بلکہ لکڑ دادا سے ہو تب بھی میں نہیں گھبراتا۔" کپتان نے دانت پیسے "ادریس میاں! تم نے ابھی کپتان خلیل کو پہچانا نہیں۔ میں سمندروں کا راجہ ہوں، راجہ!! سمندروں پر میرا مقابلہ

کوئی نہیں کر سکتا۔ اور میں جہاز کو تیز رفتاری سے صرف بھگا ہی نہیں سکتا بلکہ اُسے اڑا بھی سکتا ہوں۔ زنگارو کی کیا حیثیت ہے میرے سامنے وہ تو کیا اس کے فرشتے بھی ہم سے پہلے ادلکا پر نہیں پہنچ سکتے"۔

اور کپتان خلیل نے جہاز کی رفتار اتنی تیز کر دی کہ سب گھبرا گئے۔ جس کے ہاتھ میں جو چیز آ گئی وہ اس سے لپٹ گیا۔ جہاز بھاگ نہ رہا تھا بلکہ بھڑکے ہوئے گھوڑے کی طرح کوکڑے بھر رہا تھا۔ کبھی ادھر ڈول رہا تھا اور کبھی اُدھر۔ ایک بھونچال سا آ گیا تھا جہاز پر۔ ادریس اور جیکی ایک دوسرے سے لپٹے بیٹھے تھے۔

"جیکی میرے دوست!" ادریس نے ٹیپو سے کہا "یہ سب جلد بازی اور ہلکے پیٹ کا نتیجہ ہے۔ ادلکا پر کوئی نئی اور بے حد قیمتی دھات ہے اس کا پتہ پروفیسر اگڑم بگڑم نے لگایا۔ لیکن اس بات کو وہ ہضم نہ کر سکے اپنی اس دریافت کا انھوں نے ایسا شور مچایا کہ وہ شیطان زنگارو ہم سے پہلے ہی روانہ ہو گیا اور خود ہمارے جہاز میں گڑبڑ مچ گئی۔ ہمارے جہاز میں بم رکھا گیا اور یہ کام بھی زنگارو کے ہی آدمیوں کا تھا۔ کوشش یہ کی گئی کہ ہمارا جہاز روانہ ہونے سے پہلے ہی بھڑام سے اڑ جائے۔ اور زنگارو کا کوئی حریف باقی نہ رہے۔ اس پر اس پاگل بوڑھے نے خواہ مخواہ ہمیں پریشان کیا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس پاگل کو بھٹکانے اور اس جہاز پر بھیجنے میں بھی زنگارو کا ہی ہاتھ ہے۔ اور میرے ٹرنک میں وہ گمنام خط بھی زنگارو کے آدمی نے ہی رکھا تھا۔ اور میرا ٹرنک پروفیسر اوٹ پٹانگ کے سر پر پھینکا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ پروفیسر اوٹ پٹانگ نے اپنے نجی وائرلیس پر زنگارو کا پیغام سن لیا"۔

"ہوں۔ ہوں" جیکی نے پوچھا۔

"نہیں سمجھے۔ اچھا دیکھو۔ کپتان کو جو خط ملا ہے وہ پروفیسر اوٹ پٹانگ کا لکھا ہوا ہے۔ اب ہوا یوں کہ پروفیسر اوٹ پٹانگ بیٹھے اپنے وائرلیس سیٹ کے کان مروڑ رہے تھے کہ انھوں نے سمندری دیو روانہ ہو چکا ہے والا پورا پیغام اس پر سُن لیا اور لکھ بھی لیا۔ وہ یہ پیغام لے کر کپتان کی طرف دوڑے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ یہ رقعہ کپتان خلیل کو دیتے کسی نے ان کے سر پر میرا ٹرنک پھینکا اور پروفیسر اوٹ پٹانگ بیہوش ہو گئے۔ ورنہ جس نے یہ ٹرنک پھینکا تھا اس کا ارادہ تو پروفیسر اوٹ پٹانگ کو ختم ہی کر دینے کا تھا۔ اب سمجھے؟"

"ہاؤ۔ ہاؤ"

"ہاں جیکی! میرا ٹرنک، پروفیسر اوٹ پٹانگ کا سر، میرے ٹرنک میں وہ گمنام خط۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے جہاز پر زنگارو کا کوئی آدمی موجود ہے۔"

"کرڑ۔ ڑ۔ ڑ۔ دھڑام سے جہاز کا ایک ستون ٹوٹ کر گرا۔ اگر ادریس عین وقت پر اٹھ کر بھاگا نہ ہوتا تو اس کی کھوپڑی پیٹھے کی طرح پھٹ جاتی جیکی ستون کی طرف منہ کر کے بے تحاشہ بھونکنے لگا۔

ستون کی دوسری طرف پروفیسر اوٹ پٹانگ لڑھک رہے تھے۔

ادریس دوڑ کر ان کے قریب پہنچا۔

"کیا ہوا پروفیسر صاحب؟" اس نے پوچھا

"واپس چلو" پروفیسر اوٹ پٹانگ بولے۔

"کیوں؟"

"وہ اس پاگل بوڑھے نے سچ کہا تھا"

"کیا سچ کہا تھا؟"

"یہی کہ ہم میں سے کوئی نہ بچے گا۔ قیامت قریب ہے۔ جہاز کی حالت دیکھ نہیں رہے ہو؟ طوفان میں پھنس گیا۔"

"خیر قیامت کی بات تو غلط تھی۔"

"نہیں غلط نہیں تھی۔ غلط نہیں ہے۔ دنیا تو بچ گئی۔ لیکن ہمارا جہاز نہ بچے گا اور جب جہاز نہ بچے گا تو ہم کہاں بچیں گے۔"

جہاز بری طرح سے ڈول رہا تھا۔ اس کا ایک ایک تختہ، ایک ایک کیل چرچرا رہی تھی۔

پروفیسر ادٹ پٹانگ لڑھکتے ٹڑھکتے آگے بڑھے۔

"واپس چلو۔ واپس چلو" وہ کہے جا رہے تھے۔

انھوں نے جہاز کے مزدوروں سے کہا "واپس چلو۔"

انھوں نے ملاحوں سے کہا "واپس چلو۔"

انھوں نے باورچی خانے کے عملے سے کہا "واپس چلو۔"

انھوں نے پروفیسر اگڑم بگڑم سے کہا "واپس چلو۔"

انھوں نے کپتان خلیل سے کہا "واپس چلو۔"

کپتان خلیل تو پہلے سے ہی جوش میں تھے۔ پروفیسر ادٹ پٹانگ نے ان سے کہا کہ واپس چلو تو کپتان پر بھوت سوار ہو گیا۔ انھوں نے دانت بھینچ کر سکان کا پہیا زور سے اور پورا کا پورا گھما دیا۔ جہاز ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ ایک طرف مڑ گیا۔

اس جھٹکے کی تاب نہ لاکر پروفیسر ادٹ پٹانگ پرٹ سے چھپکلی کی طرح گرے اور بڑے ہی زور سے چیخ کر بولے:۔

"ابے بے وقوفو! مرجاؤ گے۔ میں کہتا ہوں واپس چلو۔"

لیکن پروفیسر اوٹ پٹانگ کی بات کسی نے نہ مانی۔ جہاز صحرا میں بھاگتے ہوئے اونٹ کی طرح اچھل اچھل کر بھاگ رہا تھا۔ اور لوگوں کے دل معدے اور آنتیں اندر ہی اندر الٹ پلٹ ہوتی جا رہی تھیں۔ کسی کے حواس ٹھکانے نہ تھے۔ ہر ایک کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔

"بھئی! تم پروفیسر اوٹ پٹانگ پر نظر رکھنا" ادریس نے کہا۔ اور پھر وہ دوڑ کر کپتان کے پاس پہنچا۔

"کپتان خلیل!" اس نے کہا۔

"ہُم"

"آخر یہ کیا حماقت ہے۔ ایسی رفتار دنیا کے کسی جہاز کی نہیں رہی۔ اگر تم نے اس کی رفتار کم نہ کی تو ہم سب غرقیتیم ہو جائیں گے"

"سمجھتا کیا ہے اُلّو کا پٹھا" کپتان نے دانت کٹکٹاتے ہوئے۔

"آپ یہ مجھ سے کہہ رہے ہیں؟"

"نہیں۔ زنگارو کو کہہ رہا ہوں"

"جہنم میں ڈالو زنگارو کو" ادریس بولا "میں کہتا ہوں جہاز کی رفتار کم کرو"

"جہاز کی رفتار کم نہ ہوگی" کپتان خلیل نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے "اگر بارہ گھنٹے میں سمندری دیو کو نہ جالوں تو میرا نام خلیل سے غلیل رکھ دینا۔ سمجھا کیا ہے اس گدھے کی دم نے اگر وہ زنگارو ہے تو میں کپتان خلیل ہوں۔ خلیل! اسے آگے نہیں نکلنے دوں گا۔۔۔ نہیں نکلنے دوں گا۔۔۔ آج تک کوئی کپتان خلیل

کو شکست نہیں دے سکا اور آئندہ سو برس میں دے بھی نہ سکے گا۔ پھر وہ سمندری دیو ہو یا سمندری بھوت — زنگارو ہو یا انگارو — میں سمجھ لوں گا اس الو کے پٹھے سے۔ سمجھا کیا ہے اس نے "

اور جہاز والوں نے ایک اور زبردست جھٹکا محسوس کیا۔ جہاز کی رفتار اور بھی بڑھ گئی

جہاز پر جو چیز جہاں پہلے تھی وہاں اب نہ تھی۔ عجب افراتفری مچی ہوئی تھی۔ جہاز اچھل رہا تھا، جہاز ڈول رہا تھا۔ جہاز کڑکڑ کڑ کر رہا تھا۔ چیزیں تڑاتڑ ٹکرا رہی تھیں اور بھڑا کھٹ ٹوٹ رہی تھیں۔

لیکن کپتان خلیل کو کسی بات کی فکر اور کسی چیز کی پروا نہ تھی۔ ان پر تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا اور دھن تھی تو صرف ایک :-

"کیا کپتان خلیل ہار مان لوں گا : جس نے اپنی عمر سمندر کے سینے پر گزار دی ہے، جو اپنے وقت کا ماہر ترین جہاز راں ہے، جس نے طوفانوں سے ٹکر لی ہے، جس نے ہواؤں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ وہ کپتان خلیل زنگارو جیسے ٹڈے سے ہار مان لے گا ؟"

اور پھر خود ہی جواب دیتے :-

"نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہ ہو گا ؟"

اور کپتان کے اس فیصلے کے ساتھ ادلکارانی کی رفتار اور بڑھ جاتی۔ بارہ گھنٹے گزر گئے۔

جو لوگ جہاز میں تھے ان سب کے حواس گم تھے۔

کپتان خلیل تو پاگل ہو گئے تھے۔ یوں جہاز چلایا جاتا ہے ؟ اس طرح جہاز کے ٹکڑے اڑ جائینگے۔ یہ تو خود کشی تھی خودکشی۔ کپتان تو کمبخت مرے گا ہی ساتھ میں سب کو لے مرے گا۔

(۷)

سب کے ہوش اڑ گئے تھے۔

کپتان خلیل سکان کے قریب سے ہٹتے ہی نہ تھے۔ ہٹنا تو ایک طرف رہا وہ اُسے جھنجھوڑتے تک نہ تھے۔ بارہ گھنٹے گزر گئے تھے اور کپتان نے نہ کچھ کھایا تھا اور نہ پیا تھا۔ جو بھی کپتان کو سمجھانے جاتا، کپتان صاحب اسے دھکا مار دیتے۔ جہاز کی رفتار ایسی خطرناک تھی کہ اس نے بارہ دن کا فاصلہ بارہ گھنٹے میں طے کر لیا تھا۔

جب سے دنیا کا پہلا جہاز بنا تھا تب سے لے کر اب تک کوئی جہاز ایسا نہ بھاگا تھا۔

کھانے کا وقت آگیا۔ اور کھانے کی گھنٹی بجی۔

کوئی جہاز کے کمرۂ طعام میں نہ گیا۔ کسی کے ہوش ٹھکانے نہ تھے۔ آنتیں اور معدہ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ بھوک کیا خاک لگتی اور اگر بھوک لگتی بھی کسی کو تو وہ کھانے کے کمرے تک اور پھر کھانا کھانے کی ہمت کیسے کرتا۔ میز کرسیاں اور کوئی چیز جمی ہوئی نہ تھی، کسی چیز کو قرار نہ تھا۔

ایسی حالت ہونے کے باوجود پروفیسر اوٹ پٹانگ رسّوں، ستونوں اور عرشے پر کی دوسری چیزوں کا سہارا لیتے اور گرتے پڑتے کمرۂ طعام کی طرف چلے۔

انھیں ناقابلِ برداشت بھوک لگی تھی۔ اب تک انھوں نے دو پانی

پی پی کر کام چلایا جو ان کے پاس تھا۔ لیکن اس پانی نے یا ہی کچھ گڑبڑ
کی تھی۔ کیونکہ وہ جیسے جیسے پانی پی رہے تھے ویسے ویسے ان کی بھوک
بھڑکتی جا رہی تھی۔

کمرۂ طعام میں پہنچتے ہی پروفیسر اوٹ شیانگ مرکھنے دیو کی طرح کھانے
پر ٹوٹ پڑے۔ جس چیز پر ہاتھ پڑا اسے اٹھا کر منہ میں ٹھونس لیا۔ وہ ایسے
اُلٹے پلٹے کے ہاتھ مار رہے تھے کہ باورچی خانے کا عملہ انھیں یوں کھاتے دیکھ
کر سناٹے میں آگیا۔

اور پھر ایک حادثہ ہوا۔ ایک تشویش ناک حادثہ۔

یکایک پروفیسر اوٹ شیانگ نے منہ بھر کر قے کر دی۔

اور پھر وہ تیزی سے قے کرنے لگے اور دھم سے ڈھے گئے۔

پروفیسر اگرام بگڈم کو خبر کی گئی۔ وہ دوڑے آئے۔

انھوں نے پروفیسر اوٹ شیانگ کا فوراً معائنہ کیا اور پھر
اعلان کیا:۔

"ہیضہ"

اور ہوا کی سائیں سائیں، سمندر کی گھن گرج اور جہاز کے
ٹکرانوں اور پڑاحوں میں بھی اداکاری پر سناٹا چھا گیا اور پروفیسر کا
یہ اعلان سن کر جیسے جہاز بھی کانپ گیا۔

جہاز کو لنگر اٹھائے صرف بارہ گھنٹے ہوئے تھے۔ اور اتنی سی دیر
میں اب یہ ہیضہ پھوٹ پڑا: حیرت کی بات تھی۔

پروفیسر اگرام بگڈم برخواست ہو کر کپتان کے پاس پہنچے اور ان کا ہاتھ
پکڑ لیا:۔

"کپتان خلیل ...."

اور کپتان خلیل نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ارے کپتان! جہاز پر ہیضہ۔"

"تو میں کیا کروں؟ تم سب کے سب سائنس داں ہو، ڈاکٹر ہو۔ لگا دو سب کو ہیضے کے انجکشن۔"

"لیکن کپتان!...."

"ہٹ جاؤ یہاں سے۔"

کپتان خلیل کو کسی بات کی پروا نہ تھی۔

اور پروفیسر بھاگ کر اپنے کیبن میں پہنچے۔

اور پھر اولکا رانی پر یہ عجیب تماشا ہوا کہ ڈرتے اور اچھلتے ہوئے جہاز پر سب کو کھچاکھچ ہیضے کے انجکشن دیے گئے۔

اور ادریس انجکشن لے کر کپتان کے پاس دوڑا

"ہٹ جاؤ۔ مجھے نہیں لینا ہے انجکشن ونجکشن" کپتان خلیل غرائے۔

"لیکن کپتان صاحب! یہ ہیضہ تو متعدی مرض ہے" ادریس نے کہا۔

"ہوا کرے"

لیکن اس وقت جبکی بھاگتا ہوا آیا اور ادریس کی پتلون کا پائنچہ پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"کیا بات ہے؟"

اور ادریس کپتان خلیل اور انجکشن کو بھول کر بھاگا جبکی کے پیچھے۔

اور اس نے جا کر دیکھا کہ ــــ پروفیسر اور ٹ پٹانگ اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

"انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (اللہ کی طرف سے آئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف جائیں گے)"

"پروفیسر اوٹ ٹانگ کی بے نور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ جیسے وہ کہہ رہے ہوں:۔

"واپس چلو کوئی نہ بچے گا"

ادریس کو پروفیسر اوٹ ٹانگ کی لاش دیکھ کر چکر آ گئے۔ جہاز اولکا رانی پر یہ پہلی موت تھی اور وہ بھی ایک مانے ہوئے پروفیسر کی۔ ادریس چکرا گیا۔ اسے کچھ شک سا ہوا۔ پروفیسر اوٹ ٹانگ کی موت اسے قدرتی معلوم نہ ہوئی۔

وہ دوڑ کر مرحوم اوٹ ٹانگ کے کیبن میں پہنچا۔ ایک گلاس میں اس نے وہ پانی لیا جو وہاں موجود تھا اور جسے مرحوم پروفیسر پیتے رہے تھے۔ پانی لے کر وہ کمرۂ طعام میں پہنچا۔ ایک طشتری میں تھوڑا سا پکا ہوا کھانا لیا اور یہ دونوں چیزیں لے کر اپنے کیبن میں آ گیا۔

اور اس نے خوردبین سے پانی اور خوراک کا مطالعہ کیا

ادریس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر دوڑ گئی۔

وہ دیوانوں کی طرح باہر بھاگا۔ وہ کمرہ طعام میں اور وہاں سے باورچی خانے میں پہنچا۔ باورچی خانے کے دو ملازم پہلا لقمہ اپنے منہ میں رکھنے ہی والے تھے کہ ادریس چیخا:۔

"نہیں۔ پھینک دو"

اور اس نے دوڑ کر دونوں کے ہاتھ پر ایک ایک تھپڑ مار کر لقمے گرا دیے۔

اور پھر وہ پکے ہوئے کھانے کی دیگچیاں اوندھی کرنے لگا۔

باورچی خانے کے ملازم ادریس کو لپٹ گئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ ہمارا کپتان تو پاگل ہوا ہے۔ اوپر سے تم بھی پاگل ہو گئے ہو؟" وہ بولے۔

"سازش۔ سازش!" ادریس چیخا۔

"یہ سچ مچ پاگل ہو گیا ہے"

"نہیں میں پاگل نہیں ہوا ہوں۔ زبردست سازش جو پروفیسر اوٹ پٹانگ کی جان لے چکی ہے"

"کیا بکتے ہو؟"

"بک نہیں رہا ہوں۔ کہہ رہا ہوں۔ ہماری خوراک میں ہیضے کے جراثیم داخل کر دیے گئے ہیں۔ سمندر میں پھینک دو سارا غلّہ" ادریس نے کہا اور وہ غلے کی بوریاں اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا۔

"ارے یہ تم کیا کر رہے ہو؟" ملازم پھر اس سے لپٹ گئے "ہم کیا کھائیں گے؟"

"بھوکے رہیں گے ادریس نے کہا "یہ اناج نہیں ہے بلکہ زہر ہے زہر۔ کسی نے غلّے کو زہر بنا دیا ہے۔ ہم سب کو ایک ساتھ موت کی نیند سلانے کے لیے کسی نے یہ ترکیب کی ہے۔ ہم بھوکے رہ کر تو زندہ رہ سکتے ہیں۔ لیکن کھانا کھا کر نہیں۔ کبھی نہیں"

اور پورے جہاز پر خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑ گئی۔

پریشانی گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں پروفیسر اوٹ پٹانگ کی تجہیز و تکفین کی گئی۔ انھیں ایک تختے پر لٹا دیا گیا۔ کسی نے دعا پڑھی اور پھر تختہ

ایک طرف سے اوپر اٹھایا گیا۔ پروفیسر اوٹ ٹانگ کی لاش سمندر میں جا پڑی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں جا سوئے۔ بڑی وسیع وعریض قبر تھی ان کی --- پورا سمندر۔

پروفیسر اوٹ ٹانگ کی موت اور پھر یہ انکشاف کہ کسی نے غذا میں وبا کے جراثیم داخل کردیے ہیں۔ ان دو باتوں نے سب کو بے چین کردیا۔ سب کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔

"واپس چلو" لوگوں نے آپس میں کانا پھوسیاں کیں۔

"ہم نہ بچیں گے" ملاحوں نے ایک دوسرے سے کہا

ہر ایک کے کان میں پروفیسر اوٹ ٹانگ کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"کوئی نہ بچے گا۔ کوئی نہ بچے گا۔ کوئی نہ بچے گا!!!"

اور سب ایسے خوفزدہ ہوئے کہ جہاز کو واپس لے جانے پر اصرار کرنے لگے۔ ادریس اور پروفیسر اکرم بگرام نے انھیں لاکھ سمجھایا۔ لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

وہ تو بس ایک ہی بات کہہ رہے تھے۔

"اناج زہر بن گیا یا بنا دیا گیا۔ کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اب آگے بڑھنا خود اپنی موت کو بلانا ہے کہ نہیں ؛ واپس چلو"

اور پُرسکون سمندر پیچھے چھوٹ گیا تھا۔

اب سمندر میں موجیں تھیں اور دھند۔ دھند نہ صرف گاڑھی تھی بلکہ دم بہ دم اور بھی گاڑھی ہوتی جارہی تھی۔ اس دھند میں جہاز ایک طرف جارہا تھا اور آگے کیا تھا یہ کوئی جانتا نہ تھا۔ اس کے باوجود کپتان غفار اندھا دھند جہاز بڑھا رہے تھے۔ انھوں نے ذرا بھی

اس کی رفتار کم نہ کی۔

جہاز ایک طرف دھند میں لپٹا ہوا تھا تب دوسری طرف یہ ہوا کہ خود جہاز پر بغاوت پھوٹ پڑی۔

جہاز کے عملے کے آدمی اپنے اپنے ہتھیار لے کر دوڑ پڑے، اور کپتان کو گھیر لیا اور بندوقیں تان کر کہا:۔

"کپتان! واپس چلو۔ ورنہ ہم جہاز کو اپنے قبضے میں کر لیں گے اس جہاز پر اور تمہاری کپتانی میں ہماری جانیں محفوظ نہیں ہیں۔"

اب پہلی دفعہ کپتان خلیل کو ہوش آیا۔ صورت حال خطرناک تھی۔

"تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ہتھیار رکھ دو۔ ورنہ سب کو اڑا دوں گا" ایک بلند آواز سنائی دی۔

سب نے ایک دم سے گھوم کر اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی۔ یہ ادریس تھا جو جہاز کی سب سے بڑی توپ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور توپ کا منہ باغیوں کی طرف تھا اور ادریس نے باغیوں کو ہتھیار رکھ دینے کا حکم بھونپو سے منہ لگا کر دیا تھا۔

باغیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"میں کہتا ہوں ڈال دو ہتھیار۔ ورنہ میں توپ چلا دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ توپ کا گولا بلند عرشے اور جہاز کے ایک حصے کو اڑا دے گا اور شاید تمہارے ساتھ ہم بھی ختم ہو جائیں گے۔ لیکن اس کی ہمیں پروا نہیں ہے۔ جہاز کو لوٹانا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ جو خطرہ تمہیں آگے بڑھنے میں نظر آتا ہے وہی واپسی میں بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ واپسی کا سفر بھی ہمیں بھوکے پیٹ ہی کرنا پڑے گا۔ البتہ آگے بڑھنے میں یہ امید تو ضرور ہے کہ

کسی ساحل پر سے یا کسی جزیرے پر سے ہمیں غلّہ مل جائے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بیتے گی ہم سب پر بیتے گی اور ہم سب ساتھ مل کر ہر خطرے کا مقابلہ کریں گے۔ تم لوگوں کو.....''

''دھائیں!''

ایک باغی نے بندوق چلائی اور گولی ادریس کے کان کے قریب سے نکلی چلی گئی۔

''دھم۔ا۔م''

توپ نے گولا اگل دیا اور یہ گولا باغیوں کے سر پر سے سنسناتا ہوا گزر گیا اور پیچھے جاکر گاڑھی دھند میں غائب ہو گیا۔

''اس دفعہ تو میں نے گولا ذرا اوپر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اب بھی اگر تم نہ مانے تو اب گولا تم لوگوں کے چیتھڑے اُڑا دے گا۔ زندگی چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو اور سیدھے سبھاؤ سلاخوں کے پیچھے چلے جاؤ۔''

باغی اب بھی جہاں تھے وہیں کھڑے رہے۔

اب ادریس نے قریب رکھی ہوئی مشین گن اٹھائی اور باغیوں کی طرف اگر چلا دی۔ اب باغیوں کے حواس باختہ ہو گئے۔

''ڈال دو ہتھیار ورنہ تم میں سے ایک بھی زندہ نہ رہے گا۔''

اور اب باغیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ادریس مشین گن تیار رکھتے انھیں اپنے آگے ہنکاتا ہوا اس جگہ لے آیا جہاں موٹی موٹی سلاخوں کے پنجرے سے بنے ہوئے تھے۔ یہ جہاز اولکارانی کا قید خانہ تھا۔ ادریس نے باغیوں کو سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا اور دروازہ بند کر کے باہر سے تالا ڈال دیا۔

"دیکھو بھائیو!" ادریس نے سلاخوں کے سامنے کھڑے رہ کر بانیوں کو مخاطب کیا، "تم ہمارے دوست ہو دشمن نہیں۔ تمھیں چھوڑ کر ہم نہ بھاگے ہیں نہ بھاگیں گے۔ زندگی جتنی تمھیں عزیز ہے اتنی ہی ہمیں بھی عزیز ہے۔ ہم نہ مرنے نکلے ہیں اور نہ خودکشی کرنے۔ لیکن افسوس ہے کہ تم ہمت ہار بیٹھے یا شاید کسی کے بہکانے میں آ گئے۔ لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تم نے بڑی بزدلی کا ثبوت دیا ہے اور ساتھ ہی سرکشی بھی کی ہے۔ میں چاہتا تو یہ تھا کہ......"

ادریس اپنا فقرہ پورا نہ کر پایا تھا کہ ایک زبردست آواز آئی۔ آواز ایسی تھی جیسے دو پہاڑ آپس میں ٹکرا گئے ہوں۔ ایک زبردست گڑگڑاہٹ ہوئی جہاز سر سے لے کر دم تک کانپ گیا۔ اور ساتھ ہی ایک پہلو کی طرف جھک گیا جیسے کروٹ لے رہا ہو۔

اور وہ سب کے سب اپنی ٹانگوں پر کھڑے نہ رہ سکے۔ وہ سب کے سب ڈھیر ہو گئے۔

50.00 12.00
30.00 18.00
20.00 30.00

جہاز پہلو کے بل الٹ رہا تھا۔
شاید کسی چٹان پر چڑھ گیا تھا۔
گارڈ بھی دھند میں کچھ نظر نہ آتا تھا۔

(۸)

جہاز ایک دم سے پہلو کے بل جھک گیا جیسے الٹ جائے گا۔
موٹر کار یا ٹرک یا بس تیز بھاگ رہی ہو اور ڈرائیور اس کی رفتار

کم کئے بغیر موڑ پر گھما دے تو وہ کسی طرح ٹیڑھی ہو جاتی ہے کہ اب الٹی اور اب الٹی۔ اور لکا رانی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ یہ جہاز سینڈ سمندر پر فراٹے بھر رہا تھا کہ ایک دم سے اچانک اور خلاف توقع ایک طرف موڑ دینا پڑا۔

جہاز میں جتنے آدمی تھے چیخ اٹھے :-

"ارے یہ کپتان ہے کہ حجام؟ جہاز چلا رہا ہے یا بیل گاڑی؟ سنبھالنا بھی جانتا ہے کہ نہیں؟ ابھی الٹ جاتا جہاز......"

اور ان کا یہ کہنا غلط بھی نہ تھا۔ جہاز الٹ کر غرق ہوتے ہوتے بچ گیا تھا۔ جو لوگ کھڑے تھے یا بیٹھے تھے وہ لڑھک کر ایک دوسرے پر گرے تھے اور جہاز کی بہت سی چیزیں پھسل کر ادھر سے ادھر چلی گئی تھیں اور بہت سی چیزیں تو سمندر میں جا پڑی تھیں۔

اور کپتان خلیل غصے سے چیخ رہے تھے :-

"سور ـــ الو ـــ پاجی ـــ بدمعاش ـــ اڈبلاؤ ـــ کتے ـــ شیطان ـــ حیوان ـــ نالائق ـــ غلیظ ـــ بلے"

کپتان خلیل کے غصے کا کوئی ٹھکانا نہ تھا اور بات تھی بھی ایسی ہی۔ دھند گاڑھی تھی۔ اتنی گاڑھی کہ چند گز دور کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ جب موسم ایسا ہو تو ہر جہاز کے کپتان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ہر چند منٹ کے وقفے کے بعد جہاز کی سیٹی بجاتا رہے۔

کپتان خلیل بھی جہاز کی سیٹی برابر بجا رہے تھے۔ لیکن انہوں نے رفتار کم نہ کی تھی۔

یکایک دھند میں اور کوئی دس گز آگے ایک چٹان سی دکھائی دی۔

غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی دوسرا جہاز تھا جو اولکارانی کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ اگر اولکارانی اس سے ٹکرا جاتی تو اس کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کیونکہ یہ دوسرا جہاز بہت بڑا اور بہت مضبوط تھا۔ اور اس کے پہلو میں بھالے سے لگے ہوئے تھے۔ اس جہاز پر نظر پڑتے ہی کپتان خلیل نے آناً فاناً سکان گھما دیا۔ اوّل تو اولکارانی جہاز بھاگا جا رہا تھا اور پھر خود کپتان خلیل بتا چکے تھے اس سمندر میں کوئی بھولا بھٹکا جہاز کبھی آتا نہیں۔ لیکن ہوا یہ کہ خلاف توقع یہ پورا پہاڑ کا پہاڑ جہاز دھند میں سے جیسے نکل آیا۔

"الّو کے پٹھے — پاجی — سور —" کپتان خلیل نے کہا اور ایک دم سے سکان گھما دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاز خطرناک حد تک پہلو کے بل جھک گیا۔ جھک کیا گیا قریب قریب لیٹ گیا۔

اگر کپتان نے یوں سکان نہ گھما دیا ہوتا تو ان کا جہاز اس دوسرے جہاز سے ٹکرا جاتا۔

"ہائے تیری ایسی کی تیسی" کپتان خلیل نے قہقہہ لگایا۔

لیکن ان کا قہقہہ زبردست دھماکے کی گونج میں ڈوب گیا۔ سامنے والے جہاز پر سے توپیں گولے اگل رہی تھیں۔ ان گولوں کی زد سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے کپتان خلیل نے جہاز کی رفتار اور بھی تیز کر دی۔ لیکن سامنے والے جہاز کی توپیں برابر گولے برسا رہی تھیں۔

کپتان نے کہا۔

اوہ، معلوم ہوتا ہے کہ سامنے والوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ تم نے باغیوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے توپ چلائی تھی۔ لیکن وہ جہاز والے

سمجھے کہ ہم نے ان پر توپ چلائی ہے۔ چنانچہ اب وہ جواب میں ہم پر گولے برسا رہے ہیں۔

"نہیں۔ بات ایسی نہیں ہے" ادریس نے کہا۔

"بات ایسی نہیں ہے تو پھر کیسی ہے؟" کپتان غلیل نے پوچھا "تمھارا مطلب ہے وہ لوگ قصداً ہم پر گولے برسا رہے ہیں؟"

"ہاں میرا مطلب یہی ہے"

"لیکن وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ کیا انھیں باؤلے کتے نے کاٹا ہے؟ سمندری لٹیرے ہیں وہ؟ اور پھر وہ لوگ یہاں، اس سونے اور دھند بھرے سمندر میں کیا جھک مارنے آئے ہیں؟"

"کپتان صاحب! وہ سمندری لٹیرے نہیں بلکہ ان کے بھی باپ ہیں۔ شکر ہے کہ ہم بچ گئے"

"سمندری لٹیروں کے باپ! وہ کون ہو سکتے ہیں بھلا؟"

"اور انھوں نے ہم پر حملہ کیا تو سوچے سمجھے ہوئے مقصد کے تحت کیا"

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تم کیا ہانک رہے ہو؟ یا تم تم گھاس کھا گئے ہو یا میں"

"نہ میں گھاس کھا گیا ہوں اور نہ آپ۔ بلکہ ان بدمعاشوں کا ارادہ سچ مچ ہمیں ختم کر دینے کا تھا"

"لیکن کیوں؟ ہم نے کیا باپ مارا ہے ان کا؟"

"آپ یہ بتائیے کہ ہمارے جہاز کو لنگر اٹھانے سے روکنے کی کوشش کس نے کی تھی؟"

"شاید زنگارو نے"

"ہمارے جہاز پر بم کس نے رکھا تھا؟"

"شاید زنگارو نے۔"

"ہماری غذا میں وبا کے جراثیم کس نے داخل کر دیے تھے؟"

"شاید زنگارو نے؟"

"بس پھر دو اور دو کو ملا دو تو بات سمجھ میں آ جائے گی۔"

"ایں۔ تمہارا مطلب ہے ۔۔۔ یعنی کہ ۔۔۔ وہ جہاز سمندری دیو تھا؟"

"بالکل" ادریس نے سر ہلایا "یہ میرا اندازہ ہی نہیں بلکہ میرا یقین ہے۔ وہ جہاز جس نے ہمارا راستہ روک لیا تھا اور جس نے ہم پر گولے برسائے وہ کوئی اور نہیں بلکہ زنگارو کا سمندری دیو ہی تھا"

"ہاہاہا۔ ہوہوہو ۔۔۔ مزا آ گیا ۔۔۔ بھئی مزا آ گیا۔ الو کا پٹھا ۔۔۔ نالائق ۔۔۔ ہاہاہا۔ ہوہوہو"

اور کپتان خلیل خوشی سے ناچ اٹھے۔

کپتان کی اس خوشی کی وجہ ادریس کی سمجھ میں نہ آئی۔

"کپتان خلیل!" اس نے پوچھا "یہ اتنی بہت سی خوشی کس بات کی ہے؟"

"ارے ادریس! مجھے پھولوں کے ہار پہناؤ، مجھے شاباشی دو، مجھے مبارکباد دو!"

"لیکن کس بات پر؟"

"لو پوچھتے ہیں کہ کس بات پر؟" کپتان خلیل نے دیدے مٹکائے۔ "ارے میاں! میں نے سمندری دیو کو جا لیا کہ نہیں؟ میں نے چیلنج کیا تھا کہ سمندری دیو کو آگے نکلنے نہ دوں گا۔ اب دیکھ لو جیسا میں نے کہا تھا ویسا

کر دکھایا کہ نہیں؟"

ایک گولا سنسناتا ہوا آیا اور جہاز کے عین قریب سمندر میں گرا جہاز کانپ گیا۔

"کپتان صاحب! یہ دیکھا؛ یہ ہے آپ کا انجام" ادریس نے کہا۔

کپتان علیل کے غصّے کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ انھوں نے بھونپو منہ سے لگا کر کہا:۔

"ہوشیار! خبردار!! توپچی توپوں کے قریب پہنچ جائیں اور جوابی حملہ کریں۔ وہ اتوکی دم زنگارو نے سمجھ کیا رکھا ہے؟ کمبخت کے پرخچے اڑا دوں گا۔ پرخچے" کپتان نے فرشے پر پیر پٹخا "وہ زنگارو ہے تو میں اس کا چچا بلکہ لکڑ چچا ہوں۔ میں زنگارو ہوں، ڈنگارو ہوں، ہنگارو ہوں —— ستیاناس کر دوں گا"

"اب جانے بھی دیجئے کپتان صاحب!——"

"کیا خاک جانے دوں"——

"اپنا غصہ ٹھنڈا کیجئے"

"کیوں کروں غصہ ٹھنڈا۔ ارے میں زنگارو کو ٹھنڈا کر دوں گا"

"آپ ایسا نہیں کر سکتے"

"کیا بکتے ہو۔ تم مجھے درپردہ بزدل کہہ رہے ہو؟ میں تمھاری کھوپری توڑ دوں گا"

"خدا نہ کرے کہ آپ بزدل ہوں" ادریس نے بڑے سکون سے جواب دیا "لیکن بات یہ ہے کہ ہمارے پاس آدمی نہیں ہیں"

"آدمی نہیں ہیں"

"ہاں - آپ غصے کے عالم میں سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی دیر پہلے ہمارے آدمیوں نے بغاوت کر دی تھی۔ چنانچہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، میں نے انھیں سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا ہے"

"اوہ! ــ ہاں ــ یہ تو میں واقعی بھول گیا تھا"

"اس کے علاوہ ہم سمندری دیو کا مقابلہ نہیں کر سکتے"

"کر سکتے ہیں" کپتان کو پھر جوش آ گیا۔

"آپ بات ذرا سمجھیں پھر جوش میں آئیں۔ سمندری دیو نہ صرف بہت بڑا ہے بلکہ جنگی جہاز ہے اور ہر طرح کے بارودی ہتھیاروں سے لیس ہے"

"ہم۔ ہم"

"چنانچہ ہم واپس ۔۔۔"

واپس لوٹ جائیں!" کپتان دم بخود رہ گئے "یہ تم کہہ رہے ہو، دادر ہرگز نہیں!"

"آپ سنیں تو سہی۔ واپس لوٹ جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایک دم ہی واپس چلے جائیں۔ ایک ترکیب بتا رہا ہوں بھئی۔ ہم ذرا سے واپس ہٹ جائیں ــ یعنی یوں جیسے پسپا ہو رہے ہیں۔ آپ جہاز کی سیٹی مسلسل بجاتے رہیئے۔ دشمن کو یہ یقین ہو جانا چاہیئے کہ ہم خوفزدہ ہو کر واپس لوٹ رہے ہیں بلکہ ہم نے راہ فرار اختیار کی ہے۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ ہم بھاگ گئے ہیں تو زنگارد ہمارا پیچھا چھوڑ کر اطمینان سے آگے بڑھ جائے گا"

"نہیں" کپتان نے کہا "اس طرح تو زنگارد ہم ذرا ختہ ہم..."

پہلے اس پر — اس پر — کیا نام ہے اس کا؟"

ادلکا"

"ہاں۔ ادلکا۔ ادلکا۔ تو اس طرح وہ زنگارو ہم سے پہلے اس پر پہنچ جائے گا۔ اور یہ میں کسی صورت نہ ہونے دوں گا"

"بھئی یہ پسپائی نہیں ہے" ادریس نے تنگ آ کر کہا "یہ تو ایک ترکیب ہے۔ زنگارو کو دھوکا دینے کی ترکیب ہے"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ دوسرے راستے سے اسے جا لیں گے یا اس سے آگے نکل جائیں گے" ادریس نے کپتان کو سمجھاتے ہوئے کہا "اور یہ اس لیے کہ زنگارو کمبخت ہمیں غرق کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے"

"خدا اس کا بیڑا غرق کرے" کپتان نے دانت پیسے۔

اور اگر ہم نے اس کا مقابلہ کیا یا اس کے سامنے رہے تو اس کا نہیں ہمارا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ خصوصاً اس لیے کہ خود ہمارے آدمی بھی ہمارے خلاف ہو گئے ہیں"

"ہاؤ۔ ہاؤ" جیکی نے دم ہلا کر کہا۔

"لو یہ تمہارا کتا تائید کر رہا ہے۔ تمہارا کتا تم سے زیادہ عقلمند معلوم ہوتا ہے۔ کمبخت نے ہم پر پانی بھرا ڈول اوندھا کر ہمیں کیسے بچا لیا تھا۔ بھئی واہ واہ! کتا ہو تو ایسا ہو۔ گدھوں میں گدھا چتورگڑھ باقی سب گدھیاں اور کتوں میں کتا جیکی باقی سب بلیاں"

چند منٹوں تک دشمن کے جہاز کی توپیں گولے اگلتی رہیں اور پھر کپتان خلیل نے جہاز کو موڑ دیا، اس کی رفتار بھی تیز کر دی اور یہ ظاہر

کرنے کے لیے کہ وہ دم دبا کر بھاگ رہے ہیں کپتان خلیل نے جہاز کی سیٹی مسلسل بجانی شروع کی۔

دھند اتنی گاڑھی تھی کہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اولکارانی کی سیٹی کی آواز برابر دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس سے سمندری دیو نے یہ سمجھ لیا کہ کپتان خلیل، پروفیسر اگرام بگرام اور ہم جواد رئیس کے جی چھوٹ گئے ہیں اور ان کا جہاز جس طرف سے آیا تھا پسپا ہو کر اسی طرف بھاگا جا رہا ہے۔ چنانچہ سمندری دیو کی توپیں خاموش ہو گئیں اور وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھ گیا۔

(۹)

سمندری دیو میں سے ایک وائرلیس پیغام کسی انجانے ٹھکانے کو بھیجا گیا۔

پیغام یوں تھا:۔

"فتح مبارک ہو۔ دشمنوں کا جہاز اولکارانی پسپا ہو گیا، خوفزدہ ہو کر وہ بھاگ گیا۔ ہماری توپوں نے شاید اسے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ واپس لوٹ گیا ہے۔ اب اولکا کی تلاش میں ہمارا کوئی حریف نہیں رہا"

یہ پیغام ادریس نے اولکارانی کے وائرلیس پر کیچ کر لیا۔

"کپتان خلیل!" اس نے کہا "مبارک ہو ہماری ترکیب کارگر ہوئی۔ دشمن دھوکا کھا گیا۔ وہ اب مطمئن ہے۔ چنانچہ موڑ دو جہاز

اور بڑھا دو اس کی رفتار۔"

کپتان خلیل نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا اور سکان گھما دیا۔ جہاز ایک لمبا چکر کاٹ کر گھوم گیا۔ اب وہ پھر اسی طرف جا رہا تھا جس طرف سے لوٹا تھا۔

وہ لوگ پھر ایک بار اولکا کی تلاش میں جا رہے تھے۔

"کپتان خلیل!" ادریس نے کہا "اولکا رانی کی رفتار تیز کر دو۔"

کپتان خلیل نے چند کلیں دبائیں، کچھ کھٹ پٹ کی اور سکان گھمایا۔

"الو کے پٹھے ۔۔ پاجی ۔۔ احمق ۔۔ عقل کے بودے" کپتان خلیل نے گالیوں کی بوچھار شروع کی۔

"ارے رے کپتان صاحب! اب یہ خطابات کس خوش نصیب کو عطا ہو رہے ہیں؟" ادریس نے پوچھا۔

"تمھیں اور کس کو۔"

"مجھے۔ کیوں؟"

"تم ہی نے وقت سے پہلے لنگر اٹھوا دیا تھا اور بے سوچے سمجھے بغیر کہ اس جلد بازی کا نتیجہ کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا بھلا؟"

"ہو گا نہیں۔ ہو گیا۔"

"کیا؟"

"یہ دیکھو!"

اور کپتان خلیل نے ایک کل دبائی۔ ایک ہتھی ہلائی۔ گھرر کی آواز سنائی دی۔

"دیکھا؟" انھوں نے پوچھا۔

"دیکھا تو سہی لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔"

"سمجھ میں آئے گا کیسے۔ اناڑی جو ٹھہرے۔ تمھارے باپ نے بھی کبھی جہاز چلایا ہے؟"

"وہ تو بچارے اونٹ گاڑی چلاتے تھے۔ لیکن آپ کی اس کھینچا تانی سے جو آواز پیدا ہوئی گھرر گھرر کی وہ تو میں نے بھی سنی"

"ہاں۔ سنی نا"

"اب اس کا مطلب بھی سمجھا دو۔"

"مطلب اس کا سیدھے لفظوں اور آسان اردو میں یہ ہے کہ ہم پھنس گئے۔"

"پھنس گئے؟"

"ہاں ہاں بیچ سمندر میں پھنس گئے اُلّو۔"

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ جہاز کا تیل ختم چنانچہ ہمارا بھی کھیل ختم۔"

"اوہ!"

"اوہ کے بچے! مقررہ وقت سے پہلے ہی تم نے لنگر اٹھوا دیا۔ چنانچہ تیل کا زائد ذخیرہ ہم ساتھ نہ لے سکے۔"

"اب؟"

"اب یہ کہ پھنس گئے۔ تیل کے بغیر جہاز کیسے چل سکتا ہے؟ یہ جہاز ہے جہاز میاں۔ تمھارے باوا کی اونٹ گاڑی نہیں ہے۔ اب رہو پہلیں اور اچھلتے اور جھولتے رہو موجوں پر۔ یہ سونا سمندر ہے

اس طرف کوئی بھولا بھٹکا جہاز بھی آتا نہیں جو ہمیں بچالے گا۔ یہی ہماری وہ اولکا تو اس پر وہ بڑے حضرت زنگارو قبضہ کرلیں گے۔"

جہاز میں اشیائے خورد و نوش نہ تھیں۔ ملاحوں نے بغاوت کردی تھی۔ چنانچہ وہ سلاخوں کے پیچھے بند تھے۔ اب یہ ایک نئی مشکل آپڑی تھی۔ اور یہ مشکل آسان نہ ہو سکتی تھی۔ بیچ سمندر میں تیل کہاں سے لایا جائے؟

قیدی ملاحوں میں سے ایک نے چیخ کر کہا:۔

"ہم کہتے ہیں اب بھی وقت ہے۔ واپس چلو۔ ہم ابھی مرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی اولکا چھولکا سے ہمیں کوئی واسطہ ہے۔ واپس چلو۔"

ادریس نے یکایک کپتان سے کہا:۔

"آگے بڑھو۔"

کپتان خلیل کا مزاج پھر گیا۔

"کہاں آگے بڑھوں؟" انھوں نے کہا "آسمان کی بلندیوں میں کہ سمندر کی گہرائیوں میں؟ یہ نہ تو اڑن طشتری ہے اور نہ ہی تمھاری وہ آبدوز کشتی جل پری۔ یہ تو سمندر کی چھاتی پر تیرنے والا جہاز ہے۔"

"آگے بڑھو" ادریس نے پھر کہا۔

"یہ دیکھو" ادریس نے ایک نقشہ کپتان خلیل کے سامنے بچھا دیا "ہم اس سمندر میں اور اس جگہ ہیں" اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھ دی "اور یہاں ایک جزیرہ ہے۔ تیرتا جزیرہ۔"

"تیرتا جزیرہ؟"

"ہاں بھئی۔ چونکہ سمندر کے بیچوں بیچ ہے اس لیے تیرتا معلوم ہوتا

ہے۔ اب نیچے یہ نوٹ دیکھو لکھا ہے کہ اس جزیرے پر سے تیل جہازوں کو مل سکتا ہے۔"

"میں تو کسی ایسے جزیرے سے واقف نہیں۔"

"لیکن یہ نقشہ بھی غلط نہیں۔ بالکل جدید نقشہ ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ لیکن اس تیرتے جزیرے تک، ہمارا جہاز تیرتے تیرتے پہنچ پائے گا؟"

"پہنچ پائے گا؟"

"تیل کے بغیر۔ یا پھر تمھارا وہ تیرتا جزیرہ خود ہی تیرتا ہوا ہمارے پاس آ جائے گا؟"

"تیرتا جزیرہ جہاز تک آئے یا جہاز اس تک پہنچ جائے بات ایک ہی ہے۔"

"ابے عقل کے ڈبے!" کپتان خلیل ایک دم سے غصے ہو گئے "میں کہتا ہوں وہ سمجھتا نہیں اور اپنی ہی ہانکے جاتا ہے۔ تیل ہے نہیں اور تیل کے بغیر جہاز چلتا نہیں۔ گدھے!"

"کپتان صاحب! تیل کی ضرورت جہاز کو ہو یا نہ ہو۔ لیکن آپ کے دماغ کو اس کی سخت ضرورت ہے" ادریس نے کہا "یہ دیکھو اس کاغذ پر آپ ہی نے دستخط فرمائے ہیں کہ نہیں؟"

"ہاں فرمائے ہیں۔ فرمائے کیا ہیں کیے ہیں دستخط۔"

"اور یہ ان چیزوں کی فہرست ہے جو ہمارے جہاز پر چڑھائی گئی تھیں اور ان میں سے زیادہ تر سوائے اشیائے خورد و نوش کے، اس وقت موجود ہیں۔"

"چلو بس۔ لیکن تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"اس فہرست میں ایک جگہ لکھا ہے "محفوظ تیل"۔"

"ایں!"

"ہاں۔ چنانچہ جہاز کی چھوٹی ٹنکی میں وہ تیل محفوظ ہے جو ایسی ہی ناگہانی ضرورت کے وقت کام میں لایا جاتا ہے"

"ہورا" کپتان خلیل اچھل پڑے "زندہ باد! یار ادریس! تم ہو بڑے عقلمند"۔

اور واقعی جہاز کے محفوظے میں تھوڑا سا تیل موجود تھا جو جہاز کی بڑی ٹنکی میں منتقل کر دیا گیا اور یہ مشکل حل ہو گئی۔

"لیکن سوال یہ ہے ادریس کہ اتنا ذرا سا تیل ہمیں تیرتے جزیرے تک پہنچا دے گا؟" کپتان خلیل نے پوچھا۔

"اللہ مالک ہے۔ ہر آدمی کو بہتری کی امید رکھنی چاہئے اور برے وقت کے لیے تیار رہنا چاہئے۔ ذرا احتیاط سے استعمال کرنا تیل کو۔ امید ہے ہم تیرتے جزیرے تک پہنچ جائیں گے"۔ اور دوسری بات یہ کپتان کہ تیل ختم ہو گیا یہ اچھا ہی ہوا"۔

"تمہارا تو یہ ہے ادریس کہ تمہیں ہر وہ معاملہ اچھا ہی معلوم ہوتا ہے جو گڑبڑ ہو جائے۔ اب یہ بھی بتا دو کہ تیل ختم ہو گیا تو اس میں تمہیں کیا اچھائی نظر آئی؟"

"اچھا یہ ہوا کہ تیل حاصل کرنے کے لیے اب ہمارا تیرتے جزیرے تک جانا ضروری ہو گیا"

"اچھا پھر؟"

"جہاز پر اشیائے خوردونوش کا ذخیرہ ہے ہی نہیں۔ چنانچہ وہاں سے تیل کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی حاصل کر لیں گے۔ تیل کے بغیر ہم مر نہ جاتے۔ لیکن کھائے پیئے بغیر یقیناً مر جاتے۔"

"واہ بھئی واہ۔ کمال ۔۔ بھئی کمال" کپتان خلیل نے جہاز کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا "کیا دماغ پایا ہے تم نے اور لیس! تم بھائی اپنی کھوپڑی میں کون سا تیل ٹپکاتے ہو؟"

"ایک بات اور۔"

"وہ بھی کہہ ڈالو۔"

"تیرتے جزیرے پر فوراً وائرلیس پیغام بھیج دو۔"

"اب یہ تمھیں اونلھی سوجھی ہے۔ وہاں تو ہم جا ہی رہے ہیں پھر پیغام بھیجنے سے فائدہ؟"

"فائدہ یہ ہے کہ ہمارے پاس وقت بالکل ہے ہی نہیں۔ پیغام بھیجنے سے ہوگا یہ کہ کمپنی تیل پہنچانے کا انتظام پہلے ہی سے کرے گی۔ چنانچہ وہاں پہنچتے ہی ہمارے جہاز میں تیل بھر دیا جائے گا اور ہم روانہ ہو جائیں گے فوراً۔ ورنہ آپ جانیں اکثر ہوتا یہ ہے کہ تیل کے انتظار میں ایک دو دن تو گزر ہی جاتے ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک کہتے ہو۔"

لیکن یہ قطعاً ٹھیک نہ تھا۔

"کپتان خلیل نے تیرتے جزیرے کی تیل کمپنی کو وائرلیس کے ذریعہ پیغام بھیجا۔

اور یہی غلطی تھی جس نے ان لوگوں کو اور جہاز والوں کو مشکل

میں پھنسا دیا۔
ایسی شکل میں جبرا کی وجہ سے انھیں اولکارانی کو خیرباد کہنا پڑا۔

(۱۰)

جس طرح جہاز سمندری دیو کا وائرلیس پیغام ادریس نے اولکارانی کے وائرلیس سیٹ پر سن لیا تھا اسی طرح کپتان خلیل نے جو پیغام تیرتے جزیرے کو بھیجا وہ سمندری دیو کے وائرلیس پر سنائی دے گیا۔ اور اس طرح سمندری دیو والے ادریس اور کپتان خلیل کے ارادے سے باخبر ہو گئے۔
فوراً ہی تیرتے جزیرے پر دوسرا پیغام بھی پہنچا۔ تیل کمپنی کے افسر اعلیٰ کے پاس جب یہ پیغام پہنچایا گیا تو وہ کانپ گیا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
اور یہ پیغام یوں تھا:۔
"میں زنگارو ہوں۔ اور تم جانتے ہو کہ کتنا پُرقوت ہوں اولکارانی نام کا جہاز تمھارے پاس تیل حاصل کرنے آرہا ہے اسے ایک بوند بھی تیل نہ ملنا چاہئے۔ اگر ایسا ہوا تو کوئی جانتا بھی نہیں کہ تیرتا جزیرہ اور اس پر بسنے والے کیا ہوئے۔۔؟ اور کہاں گئے۔۔؟ جان لو کہ میں زنگارو ہوں"
تیل کمپنی کا افسر تو زنگارو کا نام سنتے ہی لرز گیا کیونکہ زنگارو ایسا بدمعاش اور ظالم تھا کہ رحم وکرم کے نام تک سے واقف نہ تھا اور

پھر بڑی بات یہ کہ جو کہتا تھا وہ کر گزرتا تھا۔ اور اس کے ٹھیک ڈیڑھ گھنٹے بعد جہاز ادلکا رانی تیرے جزیرے کی بندرگاہ میں پہنچ چکا تھا۔

کپتان خلیل کمپنی کے دفتر میں پہنچے اور افسر سے ملے۔

"میں کپتان خلیل ہوں" انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر" افسر نے مصافحہ کیے بغیر رکھائی سے جواب دیا۔

"میں جہاز ادلکا رانی کا کپتان ہوں"

"اچھا"

"اور میرا جہاز اس وقت جزیرے کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہے"

"ہوگا۔ بہت سے جہاز یہاں آکر لنگر انداز ہوتے ہیں"

کپتان خلیل کا ماتھا ٹھنکا کہ معاملہ گڑبڑ ہے۔ یہ افسر یوں رکھائی سے جواب کیوں دے رہا ہے؟

"جی — وہ — جہاز میں تیل ختم ہوگیا ہے — تیل چاہیے مجھے"

کپتان خلیل نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے" افسر نے جواب دیا۔

"افسوس ہے! کیا مطلب؟"

"فی الحال ہمارے پاس تیل نہیں ہے"

"تیل نہیں ہے۔ کیوں؟"

"وہ عرب اسرائیل جھگڑے میں عرب کمپنیوں نے تیل دینا بند کر دیا ہے"

"کیا بکتے ہو؟" کپتان خلیل کا مزاج بگڑ گیا۔ "میں تمھارا بھرکس بنا دوں گا"

"لیکن پھر کس ہیں سے تیل تو ملنے سے رہا"

"ملے یا نہ ملے میں ضرور تمھارا کچومر نکال دوں گا"

اور کپتان خلیل نے افسر کے کوٹ کے کالر پکڑے اور اُسے ایک جھٹکے سے اُٹھا لیا۔

"تیل دے رہے ہو یا نہیں؟" انھوں نے کڑک کر پوچھا۔

"نہیں"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی کے ہاتھ میں کھلونا بن گئے ہو۔ اقوام متحدہ نے جہازوں کی سہولت کے لیے یہاں بندرگاہ بنائی ہے کہ ہر جہاز کو تیل یہاں سے مل جائے۔ چنانچہ یہ ممکن ہی نہیں کہ یہاں تیل نہ ہو۔ تیل ہے اور ضرور ہے۔ پھر پوچھتا ہوں کہ تیل دیتے ہو یا نہیں"

"نہیں تیل تو نہیں ہے۔ البتّہ تم نے مجھ سے جو گستاخی کی ہے اس کے عوض میں خود تمھارا تیل نکال دوں گا" افسر نے کہا اور پھر چیخا:۔

"ہٹو، کبیر، حسینی، عبدل، سرور!"

فوراً ہی کہیں سے چار پانچ دیو کے دیو آدمی نکل آئے اور افسر کو سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ چاروں کے چہرے خوفناک تھے۔ افسر نے پتہ نہیں کون سی زبان میں، جو کپتان خلیل کی سمجھ میں نہ آئی، ان سے کچھ کہا اور وہ لوگ کپتان خلیل پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں پچھاڑ دیا، انھیں اپنے درمیان اُٹھایا، انھیں لے چلے اور پھر انھیں دفتر سے باہر پھینک دیا۔

"الّو کے پٹھے، شیطان، پاجی، چوہے" کپتان خلیل نے باہر ہی پڑے پڑے چلانا شروع کیا "تم سب کو دیکھ لوں گا۔ تم سب سے سمجھ لوں گا"

اور ادریس دوڑا آیا۔

"کیا ہوا کپتان؟" اس نے پوچھا۔

"گدھے کی دم، احمق، بے وقوف!" کپتان خلیل گرجے۔

"یہ کس کو کہہ رہے ہو؟"

"تمھیں"

"ایں۔ مجھے! مجھے کیوں؟ کیا کیا ہے میں نے؟"

"یہ پوچھو کہ کیا نہیں کیا تم نے؟ تم نے ہی وائرلیس پیغام بھیجنے کا مشورہ دیا تھا کہ نہیں"

"دیا تھا۔ لیکن اس سے کیا ہوا؟"

"کمپنی کا افسر تیل دینے سے انکار کر رہا ہے"

"کیوں؟"

"مجھے کیا پتہ۔ تم خود پوچھ لو اس سے"

"خیر۔ اٹھو"

"نہیں"

"تو پھر پڑے رہو۔ میں چلا" ادریس نے کہا اور جانے لگا۔

اور کپتان خلیل دوڑے اس کے پیچھے۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

اور ادریس نے جواب دیا۔ "کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنے۔ میرا تو پیٹ چپاتی ہو گیا ہے۔ اور پھر ہمارے وہ قیدی بھی بھوک سے نڈھال ہو گئے ہیں۔ اگر یہاں کسی کو یہ پتہ چل گیا کہ ہم جہاز کے عملے کو بھوکوں مار رہے ہیں تو پھر ہم گرفتار ہو جائیں گے۔ جہاز رانی کے عالمی قانون کی رو

سے یہ جرم ہے۔ اور اگر کسی کو یہ پتہ چل گیا کہ ہمارے جہاز پر بغاوت ہو گئی تھی اور ہم نے باغیوں کو قید کر رکھا ہے تو اینٹ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ عدالت میں پیش ہونا پڑے گا سب کو۔ اور ہماری مہم دھری رہ جائے گی۔"

ادریس آگے بڑھ گیا۔ پریشان حال کپتان خلیل اس کے پیچھے بھاگے اور چند قدم آگے بڑھ کر اپنی پریشانی میں کسی آدمی سے ٹکرا گئے۔

"ابے اندھا ہے کیا؟ دیکھ کر نہیں چلتا؟" اس آدمی نے کہا۔

"اندھا تو" کپتان خلیل نے کہا "اندھا تیرا باپ۔"

بات بڑھی۔ خوب تو تو میں میں ہوئی اور پھر وہ آدمی اور کپتان خلیل گتھم گتھا ہو گئے۔ ادریس آگے بڑھ گیا تھا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اور کپتان کو کسی انجانے شخص سے گتھم گتھا دیکھا۔ وہ کپتان کی مدد کو دوڑ پڑا۔ لیکن جب قریب پہنچا تو دم بخود رہ گیا۔ کپتان خلیل اور وہ اجنبی ایک دوسرے سے بغلگیر تھے اور وہ جو باتیں کر رہے تھے وہ یوں تھیں:۔

"ارے کتنے برسوں بعد ملے ہو۔"

"تم بھی"

"پہچانے تک نہیں جاتے"

"تم بھی"

"بالکل ہی بدل گئے ہو۔"

"تم بھی"

"اور اتنے برسوں میں نرے بدھو بن گئے ہو"

"تم بھی۔"

"اپنے پرانے دوستوں کو پہچان کبھی نہیں سکتے۔"

"تم بھی۔"

جب دونوں کی خوشی کم ہوئی تو کپتان خلیل ادریس کی طرف گھوم گئے۔

"ادریس! ان سے ملو۔ یہ ہیں میرے بہت پرانے اور بے حد گہرے دوست کپتان سندباد۔ اور ان کے جہاز کا نام ہے "جادوئی چراغ" بھئی کیا جہاز ہے کہ واہ واہ اور سندباد! یہ ہیں ادریس صاحب مہم جو، بہادر اور بے وقوف۔"

"جادوئی چراغ، کپتان سندباد! آپ کا یہ جادوئی چراغ کہاں ہے اس وقت؟" ادریس نے پوچھا

"جزیرے کی بندرگاہ میں ہی ہے۔" سندباد نے جواب دیا۔

"بس تو پھر آپ کے جادوئی چراغ نے ہماری مشکل حل کر دی۔ آپ کا جہاز سچ مچ الہ دین کا جادوئی چراغ ہے۔ کم سے کم ہمارے لیے۔"

"اب یہ کیا بک رہے ہو؟ میری سمجھ میں تو نہیں آ رہا ہے" کپتان خلیل بگڑ کر بولے۔

"کمپنی کے افسر نے ہمیں تیل دینے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن کپتان سندباد سے انکار نہ کرے گا"

"تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"آپ کپتان سندباد سے کہیں کہ وہ اپنا جہاز جادوئی چراغ ہمارے جہاز کے قریب لے آئیں اور ہمارے جہاز سے بالکل لگا دیں"

کپتان سندباد یہ باتیں سن رہے تھے۔ انھوں نے کہا:

"میرا جہاز تمھارے جہاز کے قریب ہی لنگر انداز ہے۔ اولکارانی۔

یہی ہے نا تمھارا جہاز؟ میں تیل کا انتظام کیے دیتا ہوں۔ اپنے دوست کی خاطر میں پہاڑ تک راستے سے ہٹا سکتا ہوں۔ یہ تو معمولی کام ہے۔"

اور سندباد کمپنی کے دفتر کی طرف چلے۔

"لیکن ادریس! تیل سندباد کے جہاز میں بھرا جائے گا" کپتان خلیل نے کہا "اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"آپ کی کھوپڑی میں بات آسانی سے اُترتی نہیں۔"

"چلو میں احمق سہی اور تم افلاطون اور بقراط سہی۔ بتاؤ اب۔"

"یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جہاز میں تیل بھرنے کے لیے کمپنی کی ایک تیل کشتی آتی ہے۔"

"آتی ہے۔"

"چنانچہ وہ آئے گی اور پائپ لگا کر جادوئی چراغ میں تیل پہنچائے گی۔ اسی وقت ایک دوسرے پائپ کے ذریعے یہی تیل اولکا رانی میں پہنچ رہا ہوگا۔ اب آیا خیال شریف میں؟"

کپتان خلیل کے "خیال شریف" میں بات آگئی۔ انھوں نے باچھیں چیر کر کہا:۔

"یعنی کشتی کا تیل جادوئی چراغ میں اور جادوئی تیل کا چراغ، اولکا رانی میں۔"

"جادوئی تیل کا چراغ!۔"

"میرا مطلب ہے جادوئی چراغ کا تیل اولکا رانی میں۔"

"بالکل سیدھی اور آسان ترکیب۔ اچھا اب میں غلّے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔"

اور ادریس آگے بڑھ گیا۔ لیکن ابھی وہ چند قدم ہی بڑھا تھا کہ کپتان خلیل کی چیخ سنائی دی:-

"ادر - ای - ای - س"

ادریس بھاگ کر واپس آیا۔

"کیا ہوا؟ سانپ نے ڈس لیا؟"

"وہ دیکھو" کپتان خلیل نے بندرگاہ کی طرف اشارہ کیا۔

اور ادریس نے جو نظارہ دیکھا اس نے اس کا خون خشک کر دیا۔ باغی ملاح، جنھیں ادریس نے سلاخوں کے پیچھے کر دیا تھا، کسی طرح آزاد ہو گئے اور جہاز پر سے ساحل پر آ رہے تھے۔

"یہ تو برا ہوا ادریس" کپتان خلیل بولے "اب یہ لوگ ہمیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

"لیکن انھیں آزاد کس نے کیا؟"

"تمھارے نہیں تو میرے باپ نے۔ اب بچنا مشکل ہے۔ یہ لوگ ہمارے ٹکڑے اڑا دیں گے۔"

ادریس کا بھی یہی خیال تھا اور بچاؤ کا کوئی راستہ نہ تھا۔

(۱۱)

"کپتان بھاگو!" ادریس نے کہا۔ کیونکہ باغی انھیں کی طرف آ رہے تھے "بھاگو۔ خیریت اسی میں ہے۔"

اور وہ بھاگا۔

"ابے گھوڑے ۔۔ خچر ۔۔ ہاتھی ۔۔" کپتان خلیل بولے۔ ادریس انھیں کھینچ رہا تھا اور ان سے تیز بھاگا نہ جاتا تھا۔ چنانچہ وہ خفا ہو رہے تھے۔ لاکھ کھینچا تانی کے باوجود کپتان کی رفتار نہ بڑھی تب ادریس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔

"جیکی! چھچھو ۔۔ چھچھو ۔۔" وہ بولا۔

اور جیکی ایک دم سے غرّا کر اور پھر "بھوں بھوں" کر کے لپکا اور اس نے کپتان خلیل کی ٹانگوں پر اور اچھل اچھل کر ان کے کولھوں پر منہ مارنا شروع کیا اور جیکی کی ان گستاخیوں سے گھبرا کر کپتان خلیل اسپیڈ بگٹٹ بھاگے کہ ادریس بھی حیران رہ گیا۔ لیکن وہ خفا بھی تھے۔ چنانچہ جیکی کو ساتھ ہی ساتھ صلواتیں بھی سنا رہے تھے۔

"ابے بس کر ۔۔ کتے ۔۔ پلے ۔۔۔۔ بگڑ بلے ۔۔۔ آ، رکے پیچھے"

اور ادریس ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

"ابے ادریس کے بچے ۔۔ میں کہتا ہوں منع کر اپنے اس کتے کو ۔۔ ابے ہنس کیا رہا ہے"

لیکن ادریس نے جیکی کو منع نہ کیا۔ وہ کپتان کو کاٹ نہ رہا تھا۔ بس یونہی منہ مار رہا تھا۔ اور کپتان گھبرا کر، ڈر کر، ہانپتے اور صلواتیں سناتے نہایت تیز بھاگ رہے تھے۔

آگے آگے ادریس، اس کے پیچھے کپتان خلیل اور ان کے پیچھے بھونکتا اور غرّاتا ہوا جیکی بھاگ رہا تھا۔ لیکن جھنجھلائے ہوئے، غصے میں بھرے ہوئے اور انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے آدمیوں کی رفتار بہت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ چنانچہ باغی دم بہ دم قریب آتے جا رہے تھے اور ان کے

بتیروں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ادریس اور کیپٹن کو زندہ نہ چھوڑنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے ان کو سلاخوں کے پیچھے نہ صرف بند کر دیا تھا اور تم جانو بھوکا آدمی نیم پاگل ہوتا ہے۔

بہت دیر تک جزیرے کی سڑکوں اور گلی کوچوں میں یہ بھاگ دوڑ جاری رہی اور پھر کیپٹن خلیل تھک گئے۔

"ادریس! اب مجھ سے بھاگا نہیں جاتا" وہ بولے۔

"تو پھر کیپٹن صاحب! آپ اپنے آپ پر فاتحہ پڑھ لیجئے"

"اور تم؟"

"بندہ تو یہ سامنے والے ہوٹل میں گھستا ہے" ادریس نے اور کیپٹن کے کان کے قریب منہ لے جا کر اضافہ کیا "باغی بھوکے ہیں۔ چنانچہ وہ ہمارا تعاقب کرنے کے بجائے کھانے پر ٹوٹ پڑیں گے"

"مطلب؟"

"آپ میرے سامنے آیئے تو سہی"

اور وہ دونوں غڑاپ سے اس ہوٹل میں جا گھسے جو چند قدم کے فاصلے پر تھا۔

ہوٹل زیادہ بڑا نہ تھا۔ لیکن صاف ستھرا تھا اور میزیں قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔

ہوٹل کی ساری میزوں پر کھانا لگا دیجئے فوراً" ادریس نے منیجر کے ہاتھ میں نوٹوں کی گڈی رکھ دی۔

"کیا؟" منیجر نے پوچھا۔

"جو بھی ہو۔ گوشت، ڈبل روٹی، سبزی، چپاتی اور۔۔۔"

"یہ سب آپ دونوں کھا جائیں گے ؟" منیجر کی آنکھیں پھٹ گئیں

"نہیں۔ پیچھے ہمارے مہمان آرہے ہیں۔ بہت سارے"

اور جب منیجر جلدی جلدی میزوں پر کھانا لگا رہا تھا تو ادریس اور کپتان پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔

گالیاں بکتے، چیختے چلاتے اور غصے میں گھونسے ہلاتے ہوئے باغی ہوٹل میں دھنس آئے۔ لیکن اندر گھستے ہی ٹھٹھک گئے۔ ہر میز پر کھانا چنا ہوا تھا۔ گرم گرم کھانے سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اور اس کی اشتہا انگیز بو ہوٹل کی فضا میں تیر رہی تھی۔ سامنے ہوٹل کا منیجر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ باغی چند ثانیوں تک تو خاموش کھڑے رہے۔ پھر ایک دم سے آگے بڑھے، غریب منیجر کو اٹھا کر ایک طرف پھینکا اور سب کچھ بھول کر کھانے پر وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔

جب ادھر یہ ہو رہا تھا تو دوسری طرف کپتان اور ادریس غلے کا گودام تلاش کر رہے تھے۔

اور تیسری طرف، یعنی بندرگاہ پر جادوئی چراغ نامی جہاز میں کمپنی کی کشتی تیل پہنچا رہی تھی۔

لیکن کشتی والے حیران تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔ کشتی میں سے تیل جادوئی چراغ میں پہنچ تو رہا تھا۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ جادوئی چراغ کی ٹنکی بھرتی ہی نہ تھی۔

قریب ہی کپتان سندباد سنجیدہ صورت بنائے کھڑا تھا۔

"کپتان !" کمپنی کے ایک آدمی نے سندباد سے پوچھا "آپ کے جہاز کی ٹنکی میں سوراخ تو نہیں ہے ؟"

"بالکل بھی نہیں" کپتان سندباد نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو پھر کیا وجہ ہے کہ تیل برابر پہنچ رہا ہے۔ لیکن ٹنکی ہے کہ خالی کی خالی رہتی ہے؟"

"میرے دوست! یہ جادوئی چراغ ہے، جادوئی چراغ"

اور جادوئی چراغ کی ٹنکی بھرتی بھی کیسے؟ کشتی سے جو تیل اس میں پہنچ رہا تھا وہ دوسرے پائپ سے اولکارانی میں چلا جاتا تھا۔

کمپنی کے آدمی کو کچھ شک ہوا۔ وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر دیکھنے لگا۔ اور پھر ایک دم سے چلایا:۔

"ارے یہ دوسرا پائپ کیسا ہے جو جادوئی چراغ سے نکل کر اولکارانی میں چلا گیا ہے؟"

کپتان سندباد اس شخص کے پیچھے ہی پیچھے اس طرف آگیا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ پول کھل گئی ہے تو لپک کر اس نے کمپنی کے آدمی کا منہ دبا دیا اور اسے گھسیٹ کر بندرگاہ پر کے ایک کیبن میں لے گیا۔ یہاں بہت سی بیکار چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ سندباد نے ایک بدبودار اور تیل بھرا چیتھڑا اٹھا کر کمپنی کے آدمی کے منہ میں ٹھونس دیا اور پھر ایک رسی سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ پھر وہ بھاگ کر باہر آیا، کیبن کا دروازہ بند کیا اور اپنے ایک آدمی کے کان میں کچھ کہا۔ وہ آدمی سر ہلا کر بھاگا ایک طرف کو۔

غلّے کے گودام کے سامنے کپتان خلیل اور ادریس کھڑے ہوئے تھے کہ سندباد کا آدمی بھاگتا ہوا آیا۔

"بھاگو!" اس نے آتے ہی کہا۔

"کہاں ؟"

"بندرگاہ ــ"

"او لکارانی میں تیل بھر دیا گیا ؟"

"نہیں"

"پھر ؟"

"پول کھل گئی"

کپتان خلیل سُرخ ہو گئے :-

"جنگلی ــ وحشی ــ مگرمچھ ــ وھیل مچھلی ــ"

ادریس نے کپتان صاحب کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور سندباد کے آدمی سے پوچھا

"بات کیا ہوئی ؟"

اور سندباد کے آدمی نے حقیقت بیان کر دی

"کپتان خلیل ! چلو" ادریس نے کپتان کو کھینچتے ہوئے کہا ۔

"لیکن کہاں ؟ ارادہ کیا ہے ؟"

"جادوئی چراغ" ادریس نے کہا ۔

اور دونوں بھاگ کر بندرگاہ پر پہنچے ۔ سندباد بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا ۔

"کپتان خلیل ! ادریس ! جادوئی چراغ لے کر نکل بھاگو" سندباد بولا ۔

"اور آپ ؟ ادریس نے پوچھا

"میری فکر نہ کرو"

اور دونوں جادوئی چراغ پر چڑھ گئے ۔ کپتان خلیل نے جادوئی چراغ کا انجن چلا دیا ۔

یکایک اولکارانی پر ایک بوڑھا دیوانوں کی طرح چیختا اور کھاگتا نظر آیا۔

یہ پروفیسر اگڑام بگڑام تھے۔

"ارے ادریس! مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟" وہ چلائے۔

"ارے پروفیسر صاحب! بھاگم بھاگ میں آپ کو بھول ہی گئے تھے!" ادریس نے کہا۔

"لیکن اب میں کیا کروں؟"

"چھلانگ لگا دو پروفیسر صاحب!"

"یعنی اولکارانی پر سے اس دوسرے جہاز پر؟"

"جی ہاں۔ اور کوئی چارہ نہیں ہے"

"نہیں نہیں۔ میں سمندر میں گر پڑوں گا، میں مرجاؤں گا"

"ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔ آپ کود پڑیں جلدی"

پروفیسر اگڑام بگڑام نے چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن ہمت نہ ہوئی۔ وہ اکڑوں بیٹھ گئے، پھر اٹھے، پھر بیٹھ گئے۔ لیکن چھلانگ نہ لگا سکے۔ جب چند تانیوں تک ان کی یہ اٹھک بیٹھک جاری رہی تو ادریس نے عاجز آکر جبکی کو اشارہ کیا۔ وہ جادوئی چراغ سے اولکارانی پر کود گیا۔ اور پھر پروفیسر کے پیچھے جاکر زور سے 'ہاؤ' کی۔

پروفیسر صاحب چلائے "مرگیا" اور چھلانگ لگا دی۔

وہ ہوا میں ہاتھ پاؤں مارتے جادوئی چراغ کے عرشے پر دھم سے اوندھے منہ گرے۔

پیچھے ہی پیچھے جبکی بھی آگیا۔

اور دوسرے ہی لمحے جادوئی چراغ لنگر اٹھا کر تیرتے جزیرے سے روانہ ہو چکا تھا۔

کنارے پر کھڑا ہوا سندباد ان کی طرف ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"کپتان خلیل!" ادریس نے کہا "یہ سندباد واقعی تمھارا سچا دوست ہے۔ پورا سارا نیا جہاز ہی ہمیں دے دیا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم نہ بچتے"

"ہم تو خیر بچ گئے۔ لیکن بچارا سندباد ــــ وہ کیسے بچے گا؟" کپتان خلیل بولے۔

"اس کی مجھے فکر نہیں ہے۔ کپتان سندباد ہوشیار آدمی ہے۔ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بچائے گا"

(۱۲)

اور اب ان کا سفر اولکارانی کے بجائے جادوئی چراغ سے شروع ہوا۔

جادوئی چراغ' ایک جدید' نیا اور تیز جہاز تھا۔

"ہاں کپتان! اب بھگاؤ جادوئی چراغ کو" ادریس نے کہا "ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ اب تو مجھے بھی شک ہو چلا ہے کہ زنگارو ہم سے پہلے ہی اولکا پر ...."

"مجال نہیں ہے اس شیطان کی" کپتان خلیل کو جوش آگیا۔

جادوئی چراغ سچ مچ جادوئی تھا۔ حیرت انگیز رفتار تھی اس کی اور پھر جدید آلات سے لیس تھا۔ کپتان خلیل اسے چلانے اور بھگانے میں عجب

لطف محسوس کر رہے تھے۔

دس دن کا فاصلہ جادوئی چراغ نے سات دن میں طے کرلیا۔ اور اب وہ برفستانی سمندر میں تھا اور سمندر قطب شمالی کے آس پاس تھا۔ بلکہ اسی کا ایک حصہ تھا۔

یہ خطرناک سمندر تھا۔ اس میں برف کی بڑی بڑی چٹانیں تیر تی پھر رہی تھیں۔ اور برف کے پہاڑ تھے جن میں سے کئی ایک کی چوٹیاں سطح آب سے ابھری ہوئی تھیں اور کئی ایک پہاڑ زیر آب تھے اور کپتان کی ذراسی لغزش تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

جہاز ابھری ہوئی کسی چوٹی سے یا پھر زیر آب کسی برف کے پہاڑ سے ٹکرا کر ٹوٹ سکتا تھا۔

یہاں احتیاط لازمی تھی" چنانچہ کپتان خلیل نے جادوئی چراغ کی رفتار کم کردی۔

"پروفیسر صاحب! اب اولکا کتنے فاصلے پر ہے؟" کپتان نے پوچھا اور پروفیسر اکرام بگرام بہت سے نقشے اور قطب نما اور کمپاس وغیرہ نکال کر بیٹھ گئے۔ بہت دیر تک حساب جوڑتے رہنے کے بعد انھوں نے جواب دیا:۔

"میرے خیال میں اولکا کہیں قریب ہی ہے۔"

یہ سنتے ہی ادریس دوڑا اس طرف جہاں عرشے پر ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز تیار کھڑا تھا۔ اس ہوائی جہاز کا نام اڑتا چراغ تھا۔ ادریس کود کر اڑتے چراغ میں سوار ہوگیا اور وہ گھرر گھرر کی آواز کے ساتھ اڑا۔

جادوئی چراغ برف کی چٹانوں اور پہاڑوں سے بچتا آگے بڑھتا رہا۔ ادریس کے روانہ ہونے کے بعد کپتان اور پروفیسر کے لیے وقت کاٹنا مشکل ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ پہاڑ ہو رہا تھا۔ اور جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا دونوں کی بے قراری بڑھتی جا رہی تھی۔ دونوں وائرلیس قریب ہی رکھے بیٹھے تھے کہ ادریس کا پیغام ابھی آتا ہے۔ وہ اولکا کے مل جانے کی خوش خبری ابھی سناتا ہے۔ وائرلیس میں ذرا سی ٹپ ٹپ کی آواز آتی کہ کپتان بے تابی سے "ہلو ہلو" کرنے لگ جاتے۔ لیکن ــــ

ایک گھنٹہ گزر گیا اور کوئی پیغام نہ آیا۔

"پروفیسر! ادریس نے ابھی تک کوئی پیغام نہیں بھیجا۔" کپتان خلیل نے کہا۔

"ام۔ ام۔ ٹھیک" پروفیسر بڑبڑائے تھے۔

"دو گھنٹے گزر گئے۔

"پروفیسر! کیا بات ہوئی ہو گی؟"

"کچھ بھی ہو سکتا ہے"

تین گھنٹے گزر گئے۔

پروفیسر اور کپتان کی بے قراری بڑھ کر خوف اور اندیشوں میں تبدیل ہو گئی۔ ادریس بہادر تھا، نڈر تھا اور نوجوان تھا۔ ان دونوں کی امیدوں کا سہارا تھا۔ اسے اگر کچھ ہو گیا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

اس خیال نے دونوں کو سہما دیا۔ پروفیسر تو خاموش رہے لیکن کپتان نے بے چین ہو کر کہا:

"بیکار — نکمّے — اُلّو ٹپ — پاگل — دَھنی — دیوانے —"

"کس کو کہہ رہے ہو؟" پروفیسر نے چونک کر پوچھا۔

"تمھیں"

"مجھے!!! کیوں؟"

"تمھیں ہی فرصت سے بیٹھے بیٹھے یہ اولکا بھولکا سوجھ گیا۔ کام کاج کچھ کرتے نہیں ہو۔ بس شگوفے چھوڑتے رہتے ہو۔۔۔"

"ہائیں۔ ہائیں۔ ہیں — زبان کو لگام دو بھئی"

"ارے اب تو یہ زبان ایسی بے لگام ہوگی کہ تم بھی عمر بھر یاد کروگے پروفیسر کے بچّے"

"لیکن میرا قصور؟" پروفیسر نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

"میں پوچھتا ہوں یہ اولکا سمندر میں گری تو اس میں تمھارے باپ کا کیا گیا؟ اولکا چھوڑ چاند سورج بھی سمندر میں گریں تو تمھاری کون سی دنیا لٹ جائے گی؟ خدا کا سمندر ہے اور خدا کے ہی سیارے ہیں۔ چاہے ٹوٹیں، چاہے گریں تمھارا کیا جاتا ہے؟ لیکن اس بیچارے ادریس کی جان گئی تو؟ اولکا ایک نہیں ہزاروں آئیں گی۔ لیکن ادریس دوسرا پیدا نہ ہوگا۔ اگر اسے خدا نخواستہ کچھ ہو گیا تو کلیاں پڑھنے والے تمھیں کبھی نہ بخشیں گے اور ان سے پہلے میں خود تمھارا بھرکس نکال دوں گا بلکہ قیمہ بنادوں گا تمھارا"

"یار کپتان!" پروفیسر اگڑم بگڑم بالکل ہی سہم گئے "تم تو خواہ مخواہ ہی۔۔۔"

"بیپ۔ بیپ۔ بیپ" ایک دم سے وائرلیس جاگ اٹھا۔

"ادریس!!" پروفیسر اچھل کر بولے۔

"ارے دیکھو کیا کہہ رہا ہے؟" کپتان نے کہا۔

اور دونوں نے دوڑ کر سننے کے آلے کانوں سے لگا لیے۔

"ادریس! — ادریس! ابے ہلو — ادریس!!!" کپتان نے کہا۔

"ہلو۔ ہلو۔ میں ادریس۔ میں ادریس" آواز آئی "آپ سن رہے ہیں۔ ہلو آپ سن رہے ہیں؟"

"ہاں سن رہے ہیں — سناؤ کیا خبر ہے؟"

پروفیسر اگڑم بگڑم بے صبر ہو کر بول اٹھے:۔

"ادریس! اولکا نظر آئی۔ اولکا؟"

"ابے چپ!" کپتان نے انھیں ڈانٹ پلائی۔

"اس طرف آسمان ایک دم صاف اور شفاف ہے۔" ادریس نے کہا "سمندر بھی صاف ہے۔ برف کے اکا دکا تودے ہیں جو یا تو سمت سے بچھل رہے ہیں یا دور جا رہے ہیں۔"

"ارے بھائی! اولکا کیا ہے؟" پروفیسر نے کچھ بے صبری سے کہا "وہ کہیں دکھائی دے رہی ہے کہ نہیں؟"

"گدھے — لکڑ بگھے — اژدہے — گرگٹ۔" کپتان نے کہا۔

"کیا کہا؟" ادریس نے پوچھا۔

"تم سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ یہ تو یہ پروفیسر صاحب بیچ میں بٹ بٹ کر رہے ہیں۔ چنانچہ زبان ذرا بے قابو ہو گئی — ہاں تو کچھ نظر آ رہا ہے؟"

"ہاں"

"کیا؟"

"اولکا" پروفیسر صاحب چلّائے۔

"ابے بڈھے چپ مر" کپتان صاحب جھنجھلا گئے "ہاں تو ادریس! کیا نظر آرہا ہے تمھیں؟"

عجیب سی بات ہے۔ یہاں سے کچھ دور دھوئیں کی لکیر سی سمندر میں سے نکل کر آسمان کی طرف جا رہی ہے۔ دھواں تو نہیں البتہ یہ بھاپ ہے۔ بھاپ کا ایک ستون سا نظر آرہا ہے جو بلند ہے؟"

پروفیسر ایک دم سے بے تاب ہو کر بیچ میں بول اٹھے:۔

"ادریس! ادریس!! میں پروفیسر اگرم بگرم بول رہا ہوں۔ کیا کہا تم نے کہ بھاپ کا ایک ستون سا نظر آرہا ہے؟"

"ہاں"

"اور آسمان صاف ہے۔ کوئی بادل وغیرہ نہیں؟"

"اور یہ بھاپ کسی ایک مقام سے نکل رہی ہے؟"

"ہاں"

اور پروفیسر صاحب اچھل پڑے، وہ ناچنے لگے۔ کانوں پر لگے ہوئے سننے کے آلات اتارنے کا بھی انھیں خیال نہیں آیا۔ وہ ناچتے ناچتے عرشے پر بھاگے۔

"مل گئی۔ مل گئی ۔۔۔ اولکا مل گئی ۔۔۔ آسمان سے گری ہوئی پہلی اولکا، جس کا کھوج میں نے لگایا ۔۔۔ ہاں میں نے ۔۔۔ پروفیسر اگرم بگرم نے ۔۔۔ پروفیسر اگرم بگرم زندہ باد! زندہ باد"

اور اس کے پیچھے دائرکیس سیٹ گھٹنے لگا۔

"ابے بڈھے ۔۔۔ مانی ۔۔۔ ۔۔۔ گوریلے ۔۔۔ ذرانٹ ۔۔۔ زبرا"

کپتان خلیل نے پروفیسر کی شان میں ارشاد کیا۔

"ارے — معافی چاہتا ہوں کپتان خلیل!" پروفیسر صاحب بولے "لیکن اولکا مل گئی ہے۔ وہ بھاپ اولکا کی ہے — اس کی تپش سے سمندر میں تیرتے ہوئے برف کے تودے پگھل گئے ہیں اور بھاپ بن کر آسمان کی طرف...."

کپتان خلیل پروفیسر کی بات سمجھ گئے۔ وہ دوڑ کر وائرلیس سیٹ کے قریب پہنچے۔

"ادریس! ادریس!! وہ اولکا ہی ہے۔ اس کی تپش نے قرب وجوار کے پانی کو گرم کر دیا ہے اور یہ بھاپ — ایں — ہلو — ادریس! ہلو — ہیل۔ لو۔ او۔ او"

کپتان ہلو ہلو کرتے رہے۔ لیکن سامنے سے کوئی جواب نہ آیا۔ کپتان خلیل پریشان ہو گئے کہ یہ ایک دم سے وائرلیس بند کیوں ہو گیا؟ ادریس کے ساتھ کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا؟

پروفیسر اگرم بگرم خوشی سے ناچ رہے تھے۔

"اولکا مل گئی — اوہو ہو — آہاہا۔ اوہو ہو"

ناچتے ناچتے ان کی نظر اپنے آپ پر پڑی۔ وائرلیس کے آلات ان کے ساتھ ناچ رہے تھے، وائرلیس گھسٹ بھی رہا تھا اور پلگ بھی سیٹ میں سے نکل آیا تھا۔

گھبرا کر اور پریشانی سے وائرلیس میں "ہلو۔ ہلو" کرتے ہوئے کپتان سے انھوں نے کہا۔

"میں نے کہا کپتان خلیل! — یہ — یہ وائر کو سیٹ تم کھینچ

لگانا ضروری ہے کیا؟"

"ارے جلد باز — بیہودے — خچر — بے وقوف کی دم"

کپتان نے وائرلیس کے ہاتھ سے گھسیٹ کر ہنگ سیٹ میں لگا دیا۔

"بچے کے بچے — اونٹ کی دم — شیطان کے خالو"

"مجھ سے کہہ رہے ہو؟" وائرلیس میں سے ادریس کی آواز نے پوچھا

"نہیں۔ تمھیں نہیں۔ اس بڈھے پروفیسر سے کہہ رہا ہوں جو مداری کے بندر کی طرح ناچ رہا ہے۔ انھوں نے وائرلیس کا پلگ بھی کھینچ لیا تھا۔ اچھا اب سنو ادریس! تم نے اولکا کا پتہ لگا لیا ہے" "تلاش کر لیا ہے" "اسے مبارک ہو تمھیں اور مبارک ہو ہمیں۔ وہ بھاپ اولکا کی ہی ہے۔ اچھا تم اب واپس آ جاؤ۔ اب ہم وہاں پہنچنے کی ترکیب کرتے ہیں"

"میں واپس ہی آ رہا ہوں۔ لیکن..." ادریس ایک دم سے خاموش ہو گیا۔

"لیکن کیا ادریس؟ خاموش کیوں ہو گئے؟" کپتان نے گھبرا کر پوچھا

"مجھے دوسری طرف بھی دھواں نظر آ رہا ہے"

"سفید یا کالا؟"

"کالا"

"مر گئے —"

"کیوں؟"

"مجھے شک ہو چلا ہے۔ خدا کرے کہ میرا شک غلط ہو۔ ادریس! ذرا اس طرف جا کر دیکھو کہ کیا ہے وہ؟"

"کوئی جہاز ہے شاید۔ اسی کا دھواں ہے وہ"

"تاہم اس طرف کا ایک چکر لگا لو"

اور ادریس نے ہوائی جہاز کا رخ اس طرف کر دیا۔ وہ جہاز ہی تھا لیکن دور سے پتہ نہ چل سکتا تھا کہ وہ کون سا ہے؟ کیسا اور کس کا جہاز تھا اور اس طرف کہاں سے آگیا تھا۔

وہ ہوائی جہاز کو بہت نیچے اور اس انجانے جہاز کے بہت قریب لے آیا۔

جہاز کے پہلو پر اس کا نام جلی حروف میں لکھا ہوا تھا۔

نام پڑھتے ہی ادریس چونک اٹھا۔

وہ ایک دم سے ہوائی جہاز کو سیدھا اوپر لے آیا اور پھر اس کا رخ موڑ کر جادوئی چراغ کی طرف بھاگا۔

اسے روانہ ہوئے کوئی پانچ گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس عرصے میں جادوئی چراغ کافی فاصلہ طے کر کے بہت آگے بڑھ آیا تھا۔ چاروں طرف برف کے تودے اور پہاڑ تھے اور جادوئی چراغ ان سے بچتا اور ان کے درمیان سے آہستہ آہستہ اور سنبھل کر نکلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا جب ادریس واپس آیا ہے تو اس وقت جادوئی چراغ برف کے تودوں کے گویا جنگل میں داخل ہو چکا تھا۔

ہوائی جہاز کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی۔

کپتان نے سر ہلا کر پروفیسر سے کہا "اگر ہم بگرم! چاروں طرف برف کی دیواریں ہیں اور ان کے بیچ میں تنگ درے سے ہیں۔ ان کے درمیان سے ہوائی جہاز لانا ادریس کے لیے اگر ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہے"

فضا میں سے ادریس نے بھی خطرناک صورت حال دیکھی۔

اس کا ہوائی جہاز برف کی دیواروں پر اور ان کے ارد گرد چکر کاٹنے لگا۔ پھر وہ ایک برف کی دیوار کی طرف بڑھا۔ اس دیوار میں ایک بڑا سا شگاف تھا۔ لیکن اتنا بڑا نہ تھا کہ ہوائی جہاز اس میں سے گزر سکتا۔ اس کے بازوؤں کا ٹکرا کر ٹوٹ جانے کا خدشہ تھا۔

ادریس نے ایک دم سے ہوائی جہاز کو ٹیڑھا کر دیا۔ اب اس کا ایک بازو آسمان کی طرف تھا اور دوسرا سرا نیچے سمندر کی طرف۔ اور اس طرح وہ ہوائی جہاز کو شگاف میں لے آیا۔ اسے احتیاط سے آگے بڑھایا۔ وہ اسے شگاف میں سے نکال لایا اور اب وہ جادوئی چراغ پر تھا۔

کپتان اور پروفیسر دوڑے اس کی طرف۔

"کیا تھا؟ جہاز؟" کپتان نے پوچھا۔

"ہاں"

"کون سا؟ کس کا؟"

"زنگارو کا سمندری دیو۔"

"باپ رے" پروفیسر اگڑم بگڑم اچھل پڑے "تب تو وہ ہم سے پہلے ادلکا پر پہنچ جائے گا۔ ہائے ہائے میرا بگڑنیم!"

"یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے ادلکا؟" کپتان نے پوچھا۔

"یہی کوئی ڈیڑھ سو میل۔"

"مر گئے۔" کپتان خلیل دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئے "اب تو بھائی ہم دونوں وہاں پہنچ چکے۔ یہ تو ادریس! گویا کنارے پر پہنچ کر کشتی ڈوبی۔ وہ کمبخت زنگارو جیت گیا۔"

اور جب ادریس، کپتان اور پروفیسر مایوس تھے۔ تب وائرلیس "پپ۔ پپ" کر رہا تھا۔

اور جو پیغام اس سے پہنچنے والا تھا وہ حوصلہ شکن تھا۔

(۱۳)

"پپ۔ پپ۔ پپ" وائرلیس پر کوئی پیغام آرہا تھا۔ لیکن کپتان خلیل نا امید ہو کر بیٹھے تھے۔ مایوسی نے ان کے بدن کی ساری طاقت جیسے نچوڑ لی تھی۔ سمندری دیو اُن سے ڈیڑھ سو میل آگے ہے، یہ سنتے ہی وہ نڈھال ہو گئے تھے۔ اب انھیں یقین ہو گیا تھا کہ لاکھ کوشش کے باوجود، وہ سمندری دیو تک نہ پہنچ پائیں گے، اس سے آگے نکلنا تو خیر دور کی بات تھی۔

یکایک انھوں نے سر اٹھایا اور کہا۔

"ادریس! چلو"

"کہاں؟"

"واپس ــــ ہندوستان"

ادریس چونکا۔ اب تک تو یہ تھا کہ ہر ایک نے "واپس چلو، واپس چلو" کہا تھا اور وہ سب واپس چلے گئے تھے۔ یا پھر تیرتے جزیرے میں رہ گئے تھے۔ لیکن کپتان نے ہمت نہ ہاری تھی۔ انھوں نے واپس لوٹنے کے متعلق ایک لفظ نہ کہا تھا۔ بلکہ اس کا انھیں خیال تک نہ آیا تھا۔ اب وہی واپس

چلنے کو کہہ رہے تھے۔

ادریس پریشان ہوگیا۔ اب کیا کرے؟

"کپتان خلیل! آپ سے یہ امید نہ تھی" وہ بولا۔

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"آپ صرف ایک کام کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

ادریس نے اپنے چلّو میں پانی لے کر کپتان کے سامنے کر دیا۔

"تم مجھے چلّو بھر پانی میں ڈوب مرنے کو کہہ رہے ہو" کپتان کو غصّہ آگیا۔

"ہاں۔ لیکن آپ جیسا بزدل شخص یہ بھی نہ کر سکے گا۔"

"تم مجھے بزدل کہہ رہے ہو؟"

"اور نہیں تو کیا بہادر کہوں؟ جانباز کہوں؟ سرفروش کہوں؟ کپتان خلیل! جو جیتی ہوئی بازی ہارتا ہے اور وہ بھی اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اسے چلّو بھر پانی میں ڈوب ہی مرنا چاہیے۔ آپ اپنا کیا سنہ لے کر وایس جائیں گے؟ اس سے تو بہتر ہے کہ آپ ڈوب مریں۔"

ادریس کی ترکیب کارگر رہی۔ کپتان کو جوش آگیا۔ وہ دانت پیس کر بولے:۔

"ڈوب مرو تم۔ میں کیوں ڈوب مروں؟ جادوئی چراغ میرے پاس ہے تو مجھے کچھ فکر نہیں۔ سمندری دیو ڈیڑھ سو کے بجائے ڈیڑھ ہزار میل دور ہو۔ تب بھی میں اس کو جالوں گا۔ تم نے سمجھ کیا رکھا ہے؟ اور وہ زنگارد کا بچہ کیا سمجھتا ہے اپنے آپ کو؟"

اور کپتان نے جوش کے اندھے پن میں اور غصے میں آکر جہاز کو ایک جھٹکے سے جو چلایا ہے تو وہ بدلے ہوئے گھوڑے کی طرح ایک دم سے اچھل کر تیر کی طرح آگے بڑھا۔

برف کی دیواروں کے درمیان سے جہاز کو نکالنا آسان کام نہ تھا۔ ذرا سی غلطی اور وہ برف کے تودے سے ٹکرا سکتا تھا اور پھر وہ سب کے سب چلو بھر پانی میں تو نہیں البتہ برنیلے سمندر میں ڈوب سکتے تھے۔

لیکن کپتان کے سر پر تو بھوت سوار تھا۔ انھوں نے رفتار کم نہ کی لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہوا کہ انھوں نے اپنے حواس قائم رکھے اور ایسی ہوشیاری اور مہارت سے جہاز برف کی دیواروں میں سے نکالنے لگے کہ ادریس نے دانتوں میں انگلی دے لی۔

اور اس طرف وائرلیس برابر "پپ۔ پپ" کر رہا تھا۔

"ارے کپتان" ادریس نے کہا "وائرلیس کا پیغام تو لو۔ معلوم ہوتا ہے کوئی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ شاید ہم سے مدد طلب کر رہا ہے"

"مصیبت میں؟" کپتان نے کہا "تمھیں کیسے پتہ چلا؟"

"بہت دیر سے وائرلیس "پپ۔ پپ" کر رہا ہے۔ چنانچہ مصیبت ہی میں معلوم ہوتا ہے"

اور کپتان نے جو پیغام حاصل کیا تھا وہ مبہم تھا۔

پیغام یوں تھا:۔

"مدد... کارا... مصیبت میں... ستر عرض البلد... انیس طول البلد... پانچ... برف کے تودے سے ٹکر... پانی حوض میں... بھر... لگا ہے..."

"را.... مدد.... فوری.... ہے.... آؤ...."

اور پیغام ختم ہو گیا۔

کپتان نے سوالیہ نظروں سے ادریس کی طرف دیکھ کر پوچھا:۔

"یہ پیغام تو ادھورا ہے۔ کیا مطلب ہو سکتا ہے اس کا؟"

ادریس نے کہا "میرے خیال میں پورا پیغام یوں ہے "مدد۔ کارا نام کا جہاز مصیبت میں ہے۔ اس کا مقام ہے ستر عرض البلد اور انیس طول البلد۔ جہاں وہ برف کے کسی تودے سے ٹکرا گیا ہے۔ جہاز میں پانی بھر رہا ہے یا بھرنے لگا ہے۔ فوراً مدد کی ضرورت ہے، بچاؤ۔"

"لیکن اس جہاز کا نام کیا ہے؟"

"نام ادھورا سنا گیا ہے اور دوسرے الفاظ بھی ادھورے سُنے گئے ہیں۔"

"ادریس! اب ہم کیا کریں؟"

"ان لوگوں کو بچانا ہمارا پہلا فرض ہے۔"

"لیکن اولکا....؟" پروفیسر نے پوچھا۔

"انسانوں کی زندگی اس سے زیادہ اہم ہے۔"

"لیکن یہ جہاز شمال مشرق کی طرف ہے کہیں۔ چنانچہ ہمیں اس طرف جانا پڑے گا اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اولکا سے مختلف سمت میں اور سمندری دیو سے بہت دور ہٹ جائیں گے۔"

"کپتان صاحب! آپ جہاز کو اسی طرف لے جائیں" ادریس نے کہا

"اور وہ مردود زنگارو؟"

"زنگارو جائے جہنم میں" ادریس نے کہا "آپ کارا کے آدمیوں کو بچائیں"

"لیکن سمندری دیو اور اولکا کا کیا بنے گا؟"

"اس کے متعلق میں سوچتا ہوں کچھ۔"

اور ادریس وائرلیس کی طرف بھاگا۔

کپتان نے جہاز کا رخ اس طرف موڑ دیا جس طرف اس کے اندازے کے مطابق وہ جہاز غرق ہو رہا تھا۔

دوسری طرف ادریس یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ کون سا جہاز تھا جو غرق ہو رہا تھا۔ نام تھا 'کارا' بالکل ہی نیا، انجانا اور نامکمل نام تھا۔

شام سمٹ رہی تھی اور اندھیرا اترنے والا تھا۔

ادریس نے دنیا بھر کی کمپنیوں کے نام وائرلیس پیغام بھیجا۔

"آپ کی کمپنی کا کوئی جہاز قطب شمالی کے سمندر میں پہنچا ہے؟ کیا اس کا کوئی پیغام پہنچا ہے آپ تک کہ وہ غرق ہو رہا ہے؟ اس کا پورا نام کیا ہے؟"

اس کے جواب میں ہر کمپنی کی طرف سے گھنٹوں تک پیغامات آتے رہے۔

"ہمارا کارا نام کا کوئی جہاز نہیں ہے۔"

"ہماری کمپنی کا کوئی جہاز قطب شمالی کی طرف نہیں گیا۔"

"ہمارے سارے جہاز صحیح سلامت ہیں۔"

"کارا؟ جی نہیں۔ اس نام کا ہمارا کوئی جہاز نہیں ہے۔"

"ہمارا ایک جہاز "شکارا" نامی ہے۔ لیکن وہ اس وقت یہاں گودی میں ہی ہے۔"

کپتان خلیل ادریس کے پاس آئے۔

"کچھ پتہ چلا ادریس؟" انھوں نے پوچھا۔

"تمام کمپنیوں کا جواب ایک ہی ہے۔ جہاز ان کا نہیں ہے۔"

"پھر اب؟"

فوراً ہی وائرلیس بیپ بیپ کرنے لگا۔ ادریس نے پیغام لیا:۔

"یہ بلیک اینڈ وہائٹ کمپنی ہے۔ پیغام جادو کی چراغ کے نام۔ ہمارا جہاز 'النکارا' ـــــ ستر عرض البلد اور انیس طول البلد پر غرق ہو رہا ہے۔ مدد کرو۔ مدد کرو۔"

"لو پتہ چل گیا۔ النکارا" کپتان نے کہا "پیغام بھیجو النکارا کو ہم آ رہے ہیں۔"

"ٹھہرو۔ ابھی کچھ اور معلوم کرنا باقی ہے۔"

"اب اور کیا معلوم کرنا باقی رہ گیا ہے۔ وہاں جہاز ڈوب رہا ہے اور تم...."

"ٹھیک ہے آپ جہاز کو آگے بڑھاتے رہیئے۔ تب تک میں معلوم کیے لیتا ہوں۔"

اور ادریس دنیا بھر کی جہاز کمپنیوں اور جہاز کے ناموں کی ڈیریکٹری یعنی فہرست کی کتاب لے کر بیٹھ گیا۔ اس میں کمپنیوں کے نام حروف تہجی کے مطابق لکھے ہوئے تھے۔ اس نے 'ب' کی پوری فہرست دیکھ ڈالی۔ لیکن اس میں 'بلیک اینڈ وہائٹ' کمپنی کا نام کہیں نہ تھا۔

اب اس نے 'الف' میں جہاز کا نام تلاش کیا۔

'النکارا' نام کا کوئی جہاز نہ تھا۔

اور دفعتہً اس کے دماغ میں بجلی کی سی تیزی سے ایک خیال کوند گیا۔

وہ بھاگ کر پہنچا کپتان کے پاس۔

"کپتان خلیل! جہاز کو اولکا کی طرف موڑ دو" اُس نے جلدی سے کہا۔

"اب کیا ہوا؟"

"ہمیں اُلّو بنایا گیا ہے"

"مطلب؟"

"نہ تو کوئی بلیک اینڈ وھائٹ کمپنی ہے۔ اور نہ ہی النکارا نام کا جہاز"

"اگر نہیں ہے تو پھر ڈوب کہاں سے رہا ہے؟" کپتان نے حیرت سے کہا۔

"ڈوب نہیں رہا ہے۔ بلکہ اسے ڈبایا جارہا ہے"

"ایں — یعنی — وہ زنگارو......؟"

"ہاں کپتان خلیل! یہ اسی کی چال ہے۔ ہم اسے جانتے ہیں۔ اور اس سے پہلے اولکا پر نہ پہنچ جائیں۔ اس لیے اس نے یہ چال چلی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ہم دور ہٹ جائیں گے۔ اور......"

"اس کی ایسی کی تیسی۔ سمجھا کیا ہے مردود نے"

اور کپتان خلیل وائرلیس لے کر بیٹھ گئے۔ اور دانت پیس پیس کر اور ہوا میں گھونسے چلا چلا کر انھوں نے جو پیغام بھیجا وہ یوں تھا:—

"یہ نادرنی جراغ ہے۔ اور یہ کپتان خلیل کا پیغام

ہے۔ بوگس کمپنی بلیک اینڈ وھائٹ کے نام۔ غور سے سنو :۔

الّو — جڑے — بدمعاش — بزدل — لیٹرے — اونٹ کی بلینگنی — کتے کی دم — بندر — کالے منہ — دھوکے باز — بے ہمت — ڈرپوک — بھیڑ — بکری — سور — ریچھ — قبر بجّو — نیولے — جھینگر — مچھر —"

"ارے بس — یا۔ آ۔ آس" ادریس نے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے کہا" اب یوں بیٹھے تھوک اڑاتے رہوگے یا سمندری دیو کا تعاقب ...."

"ارے سمندری دیو ہو یا سمندری چڑیل — میں اس کی ایسی تیسی کردوں گا"

اور کپتان خلیل نے بھاگ کر سکان سنبھال لیا۔

جہاز جادوئی چراغ ایک بار پھر اولکا کی طرف جا رہا تھا۔

(۱۴)

"کپتان! اب کتنا وقت لگ جائے گا؟" ادریس نے پوچھا۔

اور کپتان نے جھنجھلا کر جواب دیا :۔

"پہلے پندرہ گھنٹے پیچھے تھے اور اب بیس گھنٹے پیچھے ہیں۔ [illegible]

فکر کی بات نہیں۔ ہمارا یہ جادوئی چراغ اب اڑتا ہوا جائے گا۔ اور سمندری دیو کو سمندری بھوت بنا دے گا۔ لیکن یار! ادریس تمھیں یہ خیال کیسے آیا کہ وہ پیغام جھوٹا تھا؟ اور یہ کہ ہمیں اُلّو بنایا جا رہا ہے؟"

لیکن ادریس نے کوئی جواب نہ دیا۔ کپتان نے گردن گھما کر ادریس کی طرف دیکھا۔

وہ قریب ہی ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا تھا۔

"سو رہو ادریس! بے فکر ہو کر سو رہو" کپتان نے کہا "میں جادوئی چراغ کو اب اڑاتا ہوں اور پندرہ کے بجائے اس بارہ گھنٹوں میں سمندری دیو کا ٹینٹوا نہ دبا دوں تو میرا نام۔۔۔"

"ارے کپتان! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" ادریس ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا "میرا حلق کیوں دبا رہے ہیں؟"

کپتان خلیل چونکے۔

"تمھارا حلق ــــ اوہ ــــ معافی چاہتا ہوں ــــ اچھا اب جا کر سو رہو۔"

وہ کیبن کی طرف چلا۔ لیکن پھر رک کر کپتان خلیل سے پوچھا۔

"لیکن یہ تو بتا دو کہ اب میری آنکھ کہاں کھلے گی؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ سمندر کی تہ میں یا جنت میں؟"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"برف کی دیواروں بھرے اس سمندر میں آپ جادو کی چراغ کو اڑانے کی بات کر رہے ہیں۔ چنانچہ پوچھ رہا ہوں۔ کیونکہ یہ اڑان ہمیں یا تو سمندر کی تہہ میں پہنچا سکتی ہے یا پھر جنت میں"

"ہو ہو ہو۔ ہا ہا ہا" کپتان خلیل نے قہقہہ لگایا پھر بولے "تمھاری آنکھ جادوئی چراغ پر ہی کھلے گی۔ اب جا کر سو رہو"

اور نسیم کیبن میں پہنچا اور تکیے پر سر رکھتے ہی بے خبر سو رہا تھا۔

اور تب اس نے خواب دیکھا۔

اس نے دیکھا کہ آسمان پر بے شمار تارے آنکھیں جھپکا رہے ہیں اور زمین پر سے ایک راکٹ چاند کی طرف جا رہا ہے۔ چاند نے راکٹ اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے تاروں سے کہا "اے میرے ننھے ساتھیو! مجھے زمین کے ان باشندوں سے بچاؤ۔ یہ لوگ میری تنہائی میں مخل ہونا چاہتے ہیں، میرے راز معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ دھرتی کی خود غرضی، خون خرابے اور مار کاٹ کی مجھ پر لا رہے ہیں۔ مجھے ان سے بچاؤ"

اور چاند کی اس درخواست پر آسمان کے سارے تارے ٹوٹ پڑے۔ وہ سب کے سب سلگتی گیندوں کی طرح زمین کی طرف آنے لگے۔ راکٹ ایک دم سے پلیٹ کر زمین کی طرف بھاگا۔ لیکن تارے زمین کی طرف آتے رہے۔ جیسے جیسے وہ قریب آ رہے تھے ان کا حجم بڑھتا جا رہا تھا۔ بیک وقت لاکھوں اور کروڑوں سلگتی گیندیں زمین کی طرف آتے دیکھ کر لوگ گھبرا گئے۔ وہ بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ "قیامت۔ قیامت" کا شور اٹھا۔ اس شور میں گھنٹے کی آواز سنائی دی

دی "ٹن۔ ٹن۔ ٹن"ـــ اور بھر تارے زمین سے ٹکرانے لگے۔ زمین لرز گئی۔

"دھڑام۔ دھڑام۔ دھڑام"

ادریس نے آوازیں سنیں۔ زمین لرز رہی تھی۔

"قیامت۔ قیامت" وہ بڑبڑایا۔

اور اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

جہاز ڈول رہا تھا اور کوئی کیبن کا دروازہ دھڑدھڑا رہا تھا۔

اس نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ سامنے کپتان خلیل کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے؟" ادریس نے پوچھا۔

"پہلے تو یہ اطمینان کرلو کہ تم جادوئی چراغ پر ہی ہو"

"ہاں بھئی ہوں۔ جاؤ۔ اب مجھے سونے دو"

"اب اس جہاز پر سونے کا نام نہ لو"

"کیوں؟"

"کپتان نے کاغذ کا ایک پرزہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ دیکھو۔ سمندری دیو نے کسی خفیہ جگہ پیغام بھیجا تھا۔ میں نے اسے اپنے وائرلیس پر کیچ کر لیا"

ادریس نے پڑھا۔ پیغام یوں لکھا تھا:۔

"یہ پیغام ہے سمندری دیو کا۔ فتح مبارک ہو۔ اولکا سامنے نظر آ رہی ہے"

کپتان خلیل نے کہا "اس زنگارد کے بچے نے ہمیں دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔ کمبخت ہم سے پہلے اولکا پر پہنچ گئے۔ اب

وقت آگیا ہے کہ ہم دونوں ایک ساتھ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔ تم مظہرالحق علوی کو خبر بھیج دو کہ وہ اسے کلیاں میں شائع کروا دیں کہ کلیاں پڑھنے والوں کا پسندیدہ ہیرو اور بہترین ہم جو ادریس اور بے مثال کپتان خلیل قطب شمالی میں ڈوب مرے۔ یعنی چلو بھر پانی میں"

اور کپتان خلیل اپنا ماتھا کوٹنے لگے

ادریس نے کہا "کپتان خلیل! تم چاہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مرو۔ ادریس ایسا نہ کرے گا۔ ادریس کلیاں پڑھنے والوں کو مایوس نہ کر سکتا ہے اور نہ کرے گا"

اور وہ بھاگا کیبن سے باہر۔

"ادریس۔۔۔ ارے ادریس" کپتان خلیل بھاگے اس کے پیچھے "آخر کیا سوچا ہے تم نے؟"

"یہ جادوئی چراغ آپ کو آپ کے دوست سندباد نے دیا ہے۔ اب اگر آپ نے شکست تسلیم کرلی تو آپ کے ساتھ سندباد کو بھی ڈوب مرنا پڑے گا۔ اور جادوئی چراغ بے اڑتے چراغ کے ہوتے ہوئے اگر میں شکست کھا جاؤں تو مجھے بھی۔۔۔"

"تو تم ہوائی جہاز لے کر۔۔۔"

"ہاں کچھ بھی ہو جائے۔ میں دشمن کو اولکا پر جھنڈے گاڑنے نہ دوں گا۔"

اور وہ ہوائی جہاز میں سوار ہو گیا۔

"ادریس! تم اکیلے نہ جاؤ۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو" کپتان

خلیل نے چیخ کر کہا۔

"اور یہ جہاز کون چلائے گا؟"

"اگرم بگرم"

"اگرم بگرم جہاز چلائیں گے؟" ادریس ہنسا "ارے وہ بڑے میاں جہاز تو کیا چلائیں گے۔ البتہ برف کے کسی تودے سے ضرور ٹکرا دیں گے"

پروفیسر صاحب وہیں تھے۔ وہ بولے:۔

"بوڑھا ہوں لیکن جوانوں پر بھاری ہوں۔ جہاز ہی نہیں میں ہوائی جہاز بھی چلا سکتا ہوں"

اور پروفیسر اگرم بگرم تو سیدھے ہوائی جہاز میں جا بیٹھے۔

"ارے بڑے میاں اترو نیچے" کپتان خلیل نے کہا "میں جا رہا ہوں"

"نہیں کپتان! پروفیسر صاحب کو ہی جانے دو میرے ساتھ۔ آج ان کی اولگا پر دشمن قبضہ جمانا اور بگر نیم لوٹنا چاہتا ہے"

اور ہوائی جہاز جہاز کی چراغ پر سے اڑا۔

اور جہاز پر کھڑا ہوا ادریس کا کتا جیکی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رونے لگا۔ اس دفعہ وہ بھونک نہ رہا تھا بلکہ رو رہا تھا

جیکی کو یوں روتے سن کر کپتان خلیل کانپ گیا۔ کہتے ہیں کہ کتے کو موت دکھائی دے جاتی ہے اور جب وہ موت دیکھتا ہے تو روتا ہے۔

جب جیکی یوں رو رہا تھا تو عرشے کے ایک سرے پر سے ایک بیانا شخص دبے پاؤں کپتان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔

کپتان خلیل بے خبر تھا۔

اور جیکی بے خبر تھا۔ وہ آسمان کی طرف تھوتھنی اٹھائے رو رہا تھا

(۱۵)

ہوائی جہاز دور ہوتا جا رہا تھا۔

کپتان ہوائی جہاز کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جیکی منہ اٹھائے رو رہا تھا۔

اور وہ انجان آدمی ایک ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے دبے پاؤں کپتان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اور یہ وہی چھپا دشمن تھا جس نے اولکا رانی کی خوراک میں زہر ملا دیا تھا۔ یہ وہی تھا جس نے اولکا رانی کے ملاحوں کو بغاوت پر اکسایا تھا۔ اور یہ وہی تھا جس نے روانگی کے وقت جہاز پر بم رکھا تھا۔

تیرتے جزیرے پر جب جادوئی چراغ میں بھرا جاتا ہوا تیل اولکا رانی میں منتقل ہو رہا تھا تو اسی آدمی نے تیل کمپنی کے مالک کو اس سے خبردار کیا تھا اور جب کپتان خلیل، ادریس اور پروفیسر جادوئی چراغ لے کر بھاگے تھے تو یہ آدمی جادوئی چراغ کے سب سے نچلے حصے یعنی پیندے کے ایک کمرے میں چھپ گیا تھا۔

تب سے اب تک وہ وہیں چھپا رہا تھا۔ لیکن اب کپتان خلیل اکیلے تھے۔ چنانچہ موقع غنیمت جان کر وہ کمیں گاہ سے نکل آ... کپتان کا خاتمہ کر دے اور جادوئی چراغ لے کر بھاگ جائے تو خدا

طرح ادریس اور پروفیسر اگرام بگرام اس برفستانی ویرانے میں ہی بھٹکتے رہیں گے اور آخر کو مر جائیں گے۔ کیونکہ وہ ہوائی جہاز چھوٹا تھا اور اس میں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ہندوستان پہنچنا ممکن نہ تھا۔

یکایک جیکی کی نظر اس اجنبی پر پڑی۔

"غرررر۔ ہاؤ ہاؤ" وہ اس کی طرف لپکا۔

"اے چپ" کپتان خلیل چڑ گئے" یہ ادریس بھی عجیب آدمی ہے۔ اس کتے کو خواہ مخواہ ساتھ لایا۔ اس کو بھونکنے کے علاوہ کچھ کام ہی نہیں۔ جب دیکھو تب ہاؤ ہاؤ اور بھوں بھوں کرتا ہی رہتا ہے"

لیکن عین اس وقت انھوں نے پیچھے دیکھا اور گھبرا کر غوطہ مار گئے۔ کیونکہ وہ شخص ڈنڈا چلا چکا تھا۔ اگر کپتان خلیل غوطہ نہ مار جاتے تو ان کی کھوپڑی پھٹ جاتی۔

اور اب کپتان اس پر ٹوٹ پڑے۔ اور اندھا دھند اس پر گھونسے برسانے لگے۔ ایک گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ دوسرا گھونسا اس کی ٹھوڑی پر پڑا اور وہ دھڑام سے چت گرا۔ کپتان دوڑ کر اس کے سینے پر سوار ہو گئے اور اس کے چہرے پر گھونسے برسانے لگے۔

ادھر جیکی اس کی ٹانگیں نوچ رہا تھا۔

وہ آدمی بلبلا اٹھا۔

"بس ــــ بس کرو" وہ چلّایا "رحم کرو مجھ پر"

"رحم کے بچے! کون ہے تو؟" کپتان نے ایک گھونسا اس کی ناک پر جمایا۔ کر دیا۔

"میں ــــ میں ــــ زنگارو کا آدمی ہوں"

"زنگارو کا آدمی!" اور کپتان نے اس کا حلق دبانا شروع کیا۔

"یہاں کیسے آگیا؟"

اور اس نے کپتان کے بھاری بوجھ تلے دبے ہی دبے شروع سے اب تک کی داستان سنادی۔

"کمبخت! اب تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑوں گا" کپتان نے دانت پیسے۔

"لیکن اب میں آپ کا آدمی ہوں" وہ گڑگڑایا "میں لعنت بھیجتا ہوں زنگارو پر۔"

"کیسے یقین کرلوں؟"

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آخر تک آپ کا دوست بنا رہوں گا۔"

کپتان خلیل اس کے سینے پر سے اٹھ گئے۔

وہ آدمی بھی اٹھا اور اس نے کپتان خلیل کے ہاتھ چوم لیے۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ نام کیا ہے تمہارا؟"

"شریف۔"

"نام تو اچھا ہے۔ لیکن ہو تم۔۔۔ خیر جاکر جہاز کا سکان سنبھالو۔ جانتے ہو جہاز چلانا؟"

"جانتا ہوں۔"

"بس تو جاؤ، سکان سنبھالو۔ لیکن خیال رہے اگر مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی، ذرا بھی جو ارادہ کیا تو پھر میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

شریف نے دوڑ کر سکان سنبھال لیا۔

"چلو یہ اچھا ہوا" کپتان خلیل دل ہی دل میں بولے "وقت آنے پر خدا

دشمن کو بھی دوست بنا دیتا ہے۔ میں اکیلا جہاز کو کیسے سنبھالتا۔"

پھر انھیں کچھ خیال آیا اور وہ دوڑ کر شریف کے پاس پہنچے۔

"ابے تیرے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"نہیں میں اکیلا ہی تھا" شریف نے جواب دیا۔

"سچ کہتے ہو؟"

"قسم کھا کر کہتا ہوں۔"

"دیکھو یار! تم ہر بات میں قسم نہ کھایا کرو۔ بری بات ہے۔"

کپتان نے کہا "قسم کھانے سے خواہ مخواہ سامنے والے کو شک گزرنے لگتا ہے۔ کیونکہ عموماً جھوٹا آدمی ہی قسم کھاتا ہے۔"

"بہت اچھا۔ اب نہ کھاؤں گا۔"

"کیا نہ کھاؤ گے؟"

"قسم۔"

"شاباش! بڑے فرماں بردار ہو۔"

عین اس وقت جیکی اُد۔ اُد۔ اُد کر کے رونے لگا۔

"اب پھر کیا ہوا تجھے؟" کپتان جیکی کے قریب پہنچے "تو نے تو یار اپنی اد۔ اد سے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔"

کپتان نے اسے لاکھ سمجھایا، پچکارا، اس کے آگے کھانا رکھا لیکن اس نے رونا بند نہ کیا۔ بلکہ اب تو وہ آسمان کی طرف اچھل اچھل کر کیلیں اوپر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ابے وہاں ہوا میں کون تیرا باپ بیٹھا ہے؟" کپتان نے غصے ہو کر کہا۔

لیکن جیکی کی اچھل کود جاری رہی۔

"ارے کیا ہو گیا ہے تجھے؟" کپتان چیخے "پارہ کھا گیا ہے کیا؟"

اور انھوں نے بھی آسمان کی طرف دیکھا۔

اور انھیں آسمان کی نیلاہٹوں میں اور بہت دور کچھ دکھائی دے گیا

ایک ننھا سا دھبّا تھا جو تیزی سے قریب آ رہا تھا۔

وہ قریب آیا تو کپتان نے دیکھا ہوائی جہاز تھا۔

اور قریب آیا تو کپتان نے اسے پہچان لیا۔

"ارے یہ تو اپنا ہی ہوائی جہاز ہے اُڑتا چراغ" وہ بولے۔

"ادریس اور اگڈم بگڈم واپس آ رہے ہیں کیا بات ہوئی؟ خدا خیر کرے"

ہوائی جہاز کو دیکھ کر جیکی چھلانگیں لگانے لگا۔

اُڑتا چراغ، جادوئی چراغ کے قریب سمندر میں اُترا۔

یہ ہوائی جہاز وہ تھا جو زمین اور سمندر پر بھی اتر سکتا ہے۔

ادریس کاک پٹ میں سے کود کر ہوائی جہاز کے بازو پر آ گیا۔

کاک پٹ اسے کہتے ہیں۔ جہاں ہوائی جہاز چلانے والا بیٹھتا ہے۔

اس ہوائی جہاز میں صرف ایک ہی کاک پٹ تھا۔ کیونکہ یہ جہاز صرف دو آدمیوں کے بیٹھنے کے لیے تھا۔

"ادریس! خیریت تو ہے؟ واپس کیوں آ گئے؟" کپتان خلیل نے گھبرا کر پوچھا۔

"کچھ بھول گیا تھا۔ سو لینے آیا ہوں" ادریس نے جواب دیا۔

"کیا؟"

"اوکاپر جھنڈا گاڑنا ہے۔ چنانچہ جھنڈا لینے آیا ہوں۔ اوکاپر ہمارا

جھنڈا زنگارو کے جھنڈے سے پہلے لہرائے گا کیونکہ اسی طرح ہم یہ ظاہر کر سکیں گے کہ اولکا کو ہم نے فتح کیا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو ٹھہرو۔ میں جھنڈا لے کے آتا ہوں۔"

اور کپتان بھاگے اپنے کیبن کی طرف۔ وہاں ایک کونے میں ایک لمبے بانس سمیت جادوئی چراغ کا جھنڈا لپٹا رکھا تھا۔

"یہ لو" کپتان نے جھنڈا ادریس کو دیتے ہوئے کہا "لیکن اب جلدی جاؤ نہیں تو ہم جیتی ہوئی بازی ہار جائیں گے۔"

ادریس نے جھنڈا لیا۔ وہ کاک پٹ میں جا بیٹھا۔ اس نے کھڑکی بند کی اور انجن چلا دیا اور جب ہوائی جہاز آہستہ آہستہ کھسک رہا تھا تو جیکی نے ایک غراہٹ کے جہاز پر سے ہوائی جہاز کی طرف چھلانگ لگا دی۔

اور وہ ہوائی جہاز کے بازو پر گرا۔

کپتان یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ انھوں نے اپنے منہ پر ہاتھوں کا بھونپو رکھ کر اور چیخ کر ادریس سے کہا:

"ارے ادریس! اپنے کتے کو بچاؤ۔ وہ ہوائی جہاز کے بازو پر ہے۔ ادریس! ادریس!!"

لیکن ان کی آواز ظاہر ہے کہ ادریس تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اس کا اور اگرم بگرم کا دھیان اس طرف تھا بھی نہیں۔ دونوں کو ہی اولکا پر جلد از جلد پہنچنے کی دھن لگی تھی۔

اور ہوائی جہاز اب فضا میں تھا۔ اور اوپر ہی اوپر اٹھتا جا رہا تھا۔

جیکی کی حالت جتنی زیادہ نازک اور خطرناک تھی اتنی ہی زیادہ مضحکہ خیز بھی تھی۔ ہوائی جہاز ڈول رہا تھا۔ وہ کبھی ادھر جھک جاتا تھا اور کبھی ادھر اور جیکی پھسل کر کبھی ادھر آجاتا تھا اور کبھی ادھر۔ کئی دفعہ تو وہ بازو کے عین سرے پر پہنچ گیا اور ایک دو دفعہ اتنی بلندی پر سے سمندر میں گرتے گرتے بچا۔

اوپر آسمان، نیچے سمندر، ہوائی جہاز کا بازو پھسلوان، اور کبھی ادھر اور کبھی ادھر جھکتا ہوا ہوائی جہاز۔ صورت حال واقعی خطرناک تھی۔ جس کا احساس جیکی کو بھی شاید ہو گیا تھا، کیونکہ اب وہ بھونکنا، رونا اور غرانا تک بھول گیا تھا۔

ہوائی جہاز بہت دور اور بہت اوپر پہنچ چکا تھا۔ تب کپتان کو ایک خیال آیا۔

وہ دوڑ کر وائرلیس سیٹ کے قریب پہنچے۔

"ہلو۔ ہلو۔ ادریس!" انھوں نے سیٹ میں کہا۔

"ہلو۔ ہلو۔ میں ادریس — کون؟"

"میں کپتان خلیل بول رہا ہوں۔"

"فرمائیے۔"

"ہلو — میں پوچھتا ہوں سمندر میں زندگی اہم ہوتی ہے کہ نہیں؟"

"ہاں۔ ہوتی ہے۔"

"اور فضا میں؟"

"وہاں بھی۔"

"کسی کی بھی زندگی؟"

"ہاں۔ کبھی کبھی۔ لیکن یہ آپ کیا الٹے سیدھے سوال پوچھ رہے ہیں؟ دماغ تو ٹھکانے ہے نا کپتان صاحب؟"

"میرا دماغ تو ٹھکانے ہے لیکن گدھے کی دم تیرا دماغ چل گیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ارے۔ ہوائی جہاز کے داہنے بازو پر تیرا پیارا کتا موت اور زندگی کی کشمکش میں پھنسا ہے۔"

"جیکی۔۔۔!"

"ہاں۔ ہاں۔ جیکی" کپتان غصے سے بولے "جب اڑتا جہاز روانہ ہو رہا تھا تو جیکی جہاز پر سے اس کے بازو پر کود پڑا۔ اور اب تک وہیں ہے۔"

"بہت اچھا!" اور نسیم نے کہا اور آگے کاک پٹ میں بیٹھے اور ہوائی جہاز چلاتے ہوئے پروفیسر انگشم بگشم سے چیخ کر کہا "پروفیسر صاحب! رفتار کم کیجیے۔"

"کیوں بھئی؟ جلد از جلد لنکا پہنچنا ہے" پروفیسر بولے "وہ زنگارو۔۔۔"

"ارے پروفیسر صاحب! وہ میرا کتا ہوائی جہاز پر ہے۔"

"کہاں؟"

"داہنے بازو پر۔"

پروفیسر نے اس طرف دیکھا۔ جیکی بازو پر پھسل رہا تھا۔ پروفیسر نے ایک دم سے ہوائی جہاز کو بائیں طرف جھکا دیا۔ داہنی طرف کا بازو اوپر اٹھ گیا اور جیکی بازو سے پھسل کر کاک پٹ تک آ گیا۔ اور نسیم نے جلدی

سے کھڑکی سرکائی اور ہاتھ بڑھا کر جیکی کو کاک پٹ میں گھسیٹ لیا

"واہ پروفیسر صاحب!" ادریس نے جیکی کو اپنی گود میں بٹھاتے ہوئے کہا "آپ تو ایک ماہر ہواباز ہیں۔"

پروفیسر کو جلد از جلد اولکا پر پہنچنے کی دھن لگی تھی۔

"واہ اور بھاہ تم اپنے ہی پاس رکھو" وہ بھنا کر بولے "اس جانور کتے کو بھلا ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟"

اور وائرلیس پر کپتان خلیل نے شور مچا رکھا تھا۔

"ادریس — ابے او ادریس کے بچے — جیکی بچ گیا یا پھر...؟"

"بچ گیا۔ کپتان صاحب! شکریہ" ادریس نے کہا "سب سلامت۔"

(۱۶)

دل کی مراد جب پوری ہو رہی ہو، گوہر مقصود جب سامنے ہو تو انسان بے صبر بن جاتا ہے۔ سو سالہ بوڑھا بھی جوشیلا جوان بن جاتا ہے۔ یہی حال پروفیسر اکرم بگھم کا تھا۔ وہ خطرناک تیزی سے ہوائی جہاز اڑا رہے تھے۔ اور ایسی دھن میں تھے کہ انھیں نہ تو کسی خطرے کا خیال تھا اور نہ مرنے کا۔

ہوا اور روشنی سے کتنی تیز پرواز کر رہا تھا اڑتا چراغ!

ادریس گھبرایا۔

"ارے پروفیسر صاحب! ایسی رفتار سے تو جمبو جیٹ بھی پرواز نہیں کرتا" وہ بولا "اس طرح تو اس چھوٹے ہوائی جہاز کے ٹکڑے اڑ جائیں گے۔"

"تو اڑ جاتے دو" پروفیسر بولے "تمھیں ڈر لگتا ہے تو کود پڑو سمندر میں"

"لیکن پروفیسر صاحب! ہر بات کی ایک انتہا ہوتی ہے"

"ہوتی ہوگی۔ میرے یہاں تو ہر چیز اور ہر بات بے انتہا ہے"

ادریس خاموش ہوگیا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ پروفیسر کو سمجھانا پتھر سے ماتھا ٹکرانا ہے۔

اُدھر کپتان خلیل بے قرار تھے۔ وہ بار بار پوچھ رہے تھے:۔

"ادریس! اب تم کہاں ہو؛ کیا نظر آرہا ہے؟"

اور ادریس نے کپتان کی بے قراری کا خیال کرکے وائرلیس پر گویا "رننگ کامنٹری" شروع کردی۔

"کپتان صاحب! حیرت کی بات ہے۔ سمندر میں کسی جگہ برف کے تودے نہیں ہیں۔ بلکہ سرے سے برف ہے ہی نہیں۔ پانی کی ایک زبردست جھلملاتی ہوئی چادر ہے جو حدِ نظر تک بچھی ہوئی ہے۔ سمندر صاف ہے اور سپاٹ ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ قطب شمالی کا سمندر ہے۔ بالکل بحرِ عرب سا معلوم ہوتا ہے۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ یہ سمندر ہمارے بحرِ عرب کی طرح پرسکون نہیں ہے بلکہ اس میں موجیں اٹھ رہی ہیں۔۔۔۔"

اور کپتان خلیل حیرت سے کہہ رہے تھے:۔

"کیا کہہ رہے ہو؛ سچ کہہ رہے ہو؟ — کمال ہے بھئی"

بات ناقابلِ یقین سی تھی۔ لیکن سچ تھی۔

پرواز کرتے اور آگے بڑھتے ہوئے ہوائی جہاز میں سے ادریس نے کہا:۔

"اور کپتان صاحب! اب دور پر وہ بھاپ دکھائی دے رہی ہے۔ آسمان کی طرف اٹھتا ہوا بھاپ کا ایک موٹا سا ستون۔ سمندر کے کافی

وسیع و عریض خطّے پر یہ بھاپ نظر آتی ہے۔ جو بھاپ کا ستون تھا وہ ایک کافی لمبی چوڑی جگہ ہے اور کپتان ــــ" ادریس چیخ اٹھا "اولکا ــــ اولکا نظر آرہی ہے"۔

اُدھر جادوئی چراغ پر کپتان خلیل نے مارے خوشی کے ایک نعرہ لگایا اور پھر پوچھا :ــ

"اولکا! ــــ کیسی ہے وہ؛ بتاؤ تو سہی یار ــــ تارے جیسی ہے کہ تارا ہی ہے؟"

"نہ تارا ہے نہ تارے جیسی"

"پھر؟"

"وہ ــــ وہ ــــ سمندر میں نکلی ہوئی ایک چٹان کی طرح ہے۔ ایک بہت بڑی چٹان کی طرح۔ بلکہ یوں کہو کہ زمین کا جیسے کوئی پہاڑ ہو۔ وہ سمندر میں غرق ہے، پتہ نہیں اس کا کتنا حصّہ غرق ہے۔ البتّہ اس کا جو حصہ سطح آب کے اوپر ہے وہ ایک بہت بڑے اور ڈھلوان چبوترے کی طرح ہے۔ اور اس کا ایک کونا اونچا ہے۔ یعنی سطحِ آب سے کافی بلند ہے۔ دوربین کے ذریعے دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ یہ کوئی ریک یا اس سے کچھ زیادہ لمبا چوڑا ہے۔ یہ اولکا تو بالکل ہماری زمین جیسی ہی ہے۔ جہاں یہ سمندر میں گری ہے وہاں اس کے چاروں طرف اور میلوں تک سمندر میں بھاپ نکل رہی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ اولکا کا جو حصّہ سمندر کے باہر ہے وہ گرم معلوم نہیں ہوتا بلکہ ٹھنڈا ہے یا کسی وجہ سے ٹھنڈا پڑ گیا ہے"۔

اولکا کو دیکھ کر پروفیسر اگرڈم بگرڈم کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا تھا اور وہ مارے خوشی کے ہوائی جہاز کو اِدھر اُدھر ڈلا رہے تھے۔ بلکہ یوں کہو کہ

اسے نچا رہے تھے اور اس کی رفتار بھی انھوں نے تیز کر دی تھی۔ وہ تیر کی طرح جا رہا تھا اور ادریس اس خیال سے ہولا جا رہا تھا کہ کہیں ہوائی جہاز پھٹ نہ جائے، کہیں فضا میں ہی اس کے ٹکڑے نہ اڑ جائیں۔

ادریس کی کامنٹری اور آنکھوں دیکھا حال جاری ہی تھا۔

"ہیلو۔۔۔ کپتان ۔۔۔ اب ہم زیادہ دور نہیں ہیں۔ ہم اولکا کے قریب پہنچ گئے ہیں اور میں دوربین کے بغیر بھی اسے صاف طور پر دیکھ سکتا ہوں۔ اولکا پر نہ کوئی درخت ہے، نہ جھاڑی اور نہ ہی گھاس کی کوئی پتی۔ بالکل ہی ننگی چٹان ہے۔ ہم کوئی دم میں اس پر پہنچ جائیں گے اور ۔۔۔ ارے۔۔۔!"

ادریس ایک دم سے خاموش ہو گیا تو کپتان نے شور مچایا:۔

"ادریس ۔۔۔ ادریس ۔۔۔ ہیلو ۔۔۔ کیا ہوا؟"

"میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کپتان وہ بہت برا ہے۔"

"کیا ۔۔۔ ہے؟"

"آپ یہ خبر نہ سن سکیں گے۔"

"پھر بھی سننا چاہتا ہوں۔ بکو جلدی۔"

"سمندری دیو۔"

"کیا؟"

"ہاں، وہی ہے۔ سمندری دیو اولکا کے بہت قریب پہنچ گیا ہے کپتان!"

"کیا کہہ رہے ہو؟ گدھے، گھوڑے، خچر، ایک ٹانگ کے مرغے۔"

"ارے کپتان صاحب!" ادریس نے کہا۔ "سمندری دیو اولکا کے

بہت قریب ہے۔"

"اس کا جھنڈا اولکا پر لہراتا دکھائی دیتا ہے؟"

"نہیں۔"

"مطلب یہ کہ زنگارو نے اب تک اولکا پر قدم نہیں رکھا ہے۔ اور وہ بڈھا اگرام بگرام زندہ ہے کہ مر گیا؟"

"بفضلِ خدا بقید حیات ہیں۔"

"تو اس سے کہہ دو کہ زنگارو سے پہلے ہمارا جھنڈا اولکا پر لہرا دے۔"

کپتان اولکا سے اور ہوائی جہاز سے میلوں دور تھے۔ لیکن ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ وہ ہوا میں گھونسے چلا رہے تھے۔ بھاگ رہے تھے۔ دوڑ رہے تھے۔ اچھل رہے تھے، کود رہے تھے اور ایک دفعہ تو کچھ ایسا جوش آیا انھیں کہ سکان سنبھالے ہوئے شریف کی پیٹھ پر دو چار دھموکے رسید کر دیے۔

اور شریف سوچنے لگا کہ کہیں کپتان پاگل تو نہیں ہو گئے۔

ادھر پروفیسر اگرام بگرام کو جوش و غصہ آ گیا تھا۔ انھوں نے ہوائی جہاز کی رفتار اتنی تیز کر دی تھی کہ اب وہ چھوٹا سا ہوائی جہاز نوک سے دُم تک تھرتھرا رہا تھا۔

چشم زدن میں وہ ہوائی جہاز کو اولکا کے بہت قریب لے آئے۔

ادھر کپتان خلیل نے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔

"ابے او ادریس کے بچے — کتے، باگڑ بلے، نیولے — کچھ بک تو سہی۔ کہ کیا ہوا؟ اپنے منہ سے پھوٹ کچھ۔"

اور ادریس نے کہنا شروع کیا —

"اب ہم بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔ یہاں سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ سمندری دیو اولکا کے کنارے تک پہنچ نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ اولکا سے ذرا دور لنگرانداز ہے اور ــــ اور ــــ"

"ابے اور ــــ اور ــــ کیا ہے ــــ کتے ــــ بلّے۔"

"اور یہ کہ سمندری دیو سے ایک کشتی اتاری گئی ہے اور اس میں بہت سے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اور ــــ اور ــــ"

"ابے جبر اور ــــ اور ــــ کی رٹ لگادی۔"

"اور یہ کشتی اولکا کی طرف جارہی ہے اور ــــ"

"اوریس مجھے اور سے چڑ ہوتی جارہی ہے" کپتان خلیل جھنجھلائے۔

"یعنی اور کے بغیر کام کہاں چل سکتا ہے۔ چنانچہ اور اس کشتی پر سمندری دیو کا کالا جھنڈا لہرارہا ہے جس پر سفید حروف سے لکھا ہوا ہے "زنگارو"

"زنگارو کی دم میں نمدہ" کپتان خلیل چیخے۔

اور اس کے بعد وہ "ہلو۔ ہلو" کرتے رہے اور اپنی لغت سے مختلف جانوروں کے نام نکال نکال کر دہراتے رہے۔ لیکن ادریس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ انھوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا، خوب شور مچایا، شریف کو بھی کتا، بلا اور پتہ نہیں کیا کچھ کہہ ڈالا۔ لیکن اب وائرلیس خاموش تھا۔

اِدھر ہوائی جہاز اڑاتے ہوئے پروفیسر اگرام بگرام کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تھا اور ان کی بے چینی، بے قراری، جوش اور غصہ انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ اور ان کی حالت یہ ہو رہی تھی کہ وہ بار بار اٹھ اٹھ کر ہوائی جہاز سے نیچے کود پڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کوئی دوسرا ان کی اولکا پر پہنچ جائے اسے وہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔

سمندری دیو کی کشتی اولکا کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ادھر اگرام بگرام بھی ہوائی جہاز اولکا کے عین اوپر لے آئے تھے اور اب وہ، یعنی ہوائی جہاز اولکا کی چوٹی کے عین اوپر چکر کاٹ رہا تھا۔

پروفیسر صاحب ایک بار پھر ہوائی جہاز میں سے اولکا پر کودنے کی تیاری کرنے لگے۔

"پروفیسر صاحب! آپ نہیں" اندلیس نے انھیں روکتے ہوئے کہا "آپ بوڑھے ہیں۔"

"بوڑھا ہوگا تیرا باپ۔"

"پروفیسر صاحب! آپ جوش اور عجلت کے اندھے پن میں سوچنے کی کوشش نہیں کرتے"

"اب سوچنے کا وقت نہیں رہا۔"

"ارے بابا! یہ معاملہ نازک ہے۔ دشمن اولکا پر پہنچ رہا ہے

اور وہ ارادہ کر چکا ہے کہ اوبلکا پر قبضہ یونہی جمائے گا ...."

"اس کا باپ بھی نہیں جما سکتا قبضہ ۔ اوبلکا میری ہے ۔ اس کے باپ کی نہیں ہے ۔"

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اوبلکا پر دشمن سے لڑائی بھی ہو جائے ۔ اور یہ کام آپ کا نہیں ہے ۔"

اور اس سے پہلے کہ پروفیسر کچھ اور کہتے ادریس نے پیراشوٹ باندھا اور ہوائی جہاز میں چھلانگ لگا دی ۔

پروفیسر اگڑم بگڑم کا جوش اور غصہ کم ہونے میں نہ آتا تھا لیکن اب وہ کچھ کر نہ سکتے تھے سوائے اس کے کہ ہوائی جہاز کو وہیں اوبلکا کے عین اوپر چکر کھلاتے رہیں اور یہی انھوں نے کیا ۔

کشتی جو اوبلکا کی طرف بڑھ رہی تھی اس میں زنگارو بھی تھا اس نے ادریس کو ہوائی جہاز میں سے کودتے دیکھا تو اب اس کی بے چینی انتہا کو پہنچ گئی ۔

"اے سورو ! چپو چلاؤ ۔ جلدی ۔ جلدی" وہ چیخا ۔

زنگارو کے ہاتھ میں کوڑا تھا ۔ وہ کوڑا اسٹراک اسٹراک چپو چلانے والوں کے مارنے لگا ۔

آسمان پر سے پیراشوٹ کے ذریعے اترتا ہوا ادریس ۔

سمندر میں تیزی سے بڑھتی ہوئی کشتی ۔

اور ان دونوں کے درمیان جیسے دوڑ لگی تھی ۔

اور عجیب دوڑ تھی یہ ۔

ادریس پیراشوٹ کے ذریعے ڈولتا ہوا آہستہ آہستہ نیچے

اُتر رہا تھا۔

وہ اولکا پر اتر رہا تھا۔

زنگارو نے دانت پیسے، اس نے ادریس کی طرف گھونسہ چلایا اور پھر اس نے اپنی بندوق اٹھالی اور ــــ "دھائیں۔ دھائیں" وہ ادریس کی طرف گولیاں چلانے لگا۔

اس نے اندھا دھند گولیاں چلائیں۔ لیکن یا تو ادریس گولیوں کی حد سے باہر تھا یا پھر زنگارو جوش اور غصے میں الٹا سیدھا نشانہ لے رہا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو بہر حال ایک گولی بھی نہ تو ادریس کے لگی اور نہ ہی پیراشوٹ میں سوراخ کر سکی

زنگارو دانت پیس پیس کر گولیاں چلا رہا تھا کہ ادریس اولکا کی بلند ترین چوٹی پر اترا۔ اس کے پیر اولکا کی چوٹی سے چھو گئے۔

لیکن۔ لیکن ــ اس کے قدم چوٹی پر ٹک نہ سکے پیراشوٹ ہوا کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے ذرا سا جھک گیا ایک طرف اور ادریس چوٹی پر سے نیچے گرا۔

وہ تیر کی طرح نیچے کی طرف چلا۔

ہوائی جہاز میں سے پروفیسر اگوم بگوم نے دیکھا تو اپنا سر پیٹ لیا۔

لیکن دفعتہً ادریس نے ایک زبردست جھٹکا محسوس کیا پیراشوٹ اولکا کی چوٹی کی نوک میں اٹک گیا تھا۔

ادریس سمندر میں گرنے سے بچ گیا۔

لیکن اب وہ اولکا کی ڈھلان پر لٹک رہا تھا۔

اس نے ہاتھ پاؤں چلائے۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپا اور یوں وہ گھومنے

میں کامیاب ہو گیا۔ اب اس کا منہ ڈھلان کی طرف تھا اور وہ دونوں ہاتھوں سے پیراشوٹ کی رسیاں پکڑ کر تیزی سے اوپر، اولکا کی چوٹی کی طرف، چڑھ رہا تھا۔

اس نے بغل میں جھنڈا دبا رکھا تھا اور اوپر چڑھنے میں جھنڈے کا بانس حائل ہو رہا تھا۔ تاہم وہ حتی الامکان تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔

اور نیچے زنگارو کی کشتی اولکا کے ساحل سے آ لگی تھی۔

فضا میں چکر کاٹتے ہوئے ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوئے پروفیسر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے:-

"ادریس — جلدی — جلدی — ابے مردود —"

لیکن ان کی آواز ادریس تک نہ پہنچ رہی تھی۔

"الو کا پٹھا اپنے آپ کو بہادر سمجھتا ہے" پروفیسر بڑبڑائے "کہتا ہے میں بوڑھا ہوں — اگر میں کودا ہوتا تو اب تک۔۔۔۔"

اور زنگارو کے آدمی کشتی میں سے کود کود کر اولکا پر آ گئے۔

سب کے آگے ایک دیو قامت اور کالا بھجنگ آدمی تھا جو کالا جھنڈا لہرا رہا تھا اور چوٹی کی ڈھلان کی طرف بھاگ رہا تھا۔

یہ زنگارو تھا۔

"زنگارو! سردار!! وہ دیکھو" زنگارو کے ایک آدمی نے چیخ کر کہا۔ وہ چوٹی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

زنگارو نے اوپر دیکھا۔

اولکا کی چوٹی پر بہادر پیراغ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

ادریس نے اولکا فتح کر لی تھی۔

شکست کے خیال اور غصّے سے زنگارو کی حالت غیر ہو گئی۔ اور تو اس سے کچھ نہ بن پڑا۔ البتہ اس نے اپنے ہی جھنڈے کو پھاڑ کر جھیر جھیر کر دیا اور اسے اولکا کی زمین پر پھینک کر پیروں تلے روند دیا۔

فضا میں سے پروفیسر اگڑم بگڑم نے اولکا کی چوٹی پر اپنا ہی جھنڈا لہراتے دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ انھوں نے تالیاں بجائیں، وہ نشست پر اچھلنے اور کودنے اور چلّانے لگے۔

"فتح ـــ فتح ـــ بگڑم ٹیم زندہ باد"

اور پھر انھوں نے وائرلیس سے یہ خوش خبری جادوئی چراغ پر کپتان خلیل کو سنائی:۔

"کپتان خلیل! ـــ تمھیں مبارک ہو ـــ اور تمھیں بھی مبارک ہو ـــ فتح مبارک ہو ـــ فتح ہماری ہوئی ہے ـــ اولکا کی چوٹی پر ہمارا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ ادریس اس کے سایے میں کھڑا ہے زنگارو ہار گیا ـــ ہم جیت گئے ـــ اگڑم بگڑم زندہ باد"

"ادریس زندہ باد" کپتان خلیل چلّائے۔

ان کی خوشی کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ اٹھے، بھاگے، دوڑے اور سکّان پکڑ کر کھڑے ہوئے شریف کو گلے لگا لیا، اس کا ماتھا چوم لیا اور اسے لے کر ناچنے لگے۔

جادوئی چراغ یوں ڈول گیا جیسے وہ بھی خوشی سے ناچ رہا ہو۔ ادھر کپتان خلیل خوشی سے ناچ رہے تھے

ادھر ہوائی جہاز میں پروفیسر اکرام بگڑم اچھل کود کر رہے تھے۔
اور تب اولکا پر ایک نیا ہی ناٹک کھیلا جا رہا تھا۔

(۱۸)

زنگارو کے غصے کی کوئی حد اور انتہا نہ تھی۔
ایک ذرا سا لڑکا جس کی زنگارو کے سامنے کوئی حیثیت نہ تھی اور جسے وہ کھٹمل کی طرح چٹکی میں مسل سکتا تھا، وہ اولکا فتح کر لے۔ اس پر اپنا جھنڈا گاڑ دے!
یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہ ہوگا!
"کون ہے یہ بدمعاش؟" زنگارو نے چوٹی پر کھڑے ہوئے ادریس کی طرف اشارہ کر کے اپنے ایک آدمی سے پوچھا۔
"ادریس ہے" اس شخص نے جواب دیا۔
"کون ادریس؟"
"مشہور مہم جو اور بہادر ہے۔"
"مجھ سے بھی زیادہ؟" زنگارو نے پیر پٹخ کر پوچھا۔
زنگارو کے ساتھی نے سوچا اگر یوں کہہ دوں گا تو زنگارو پہلے میری ہی گردن مار دے گا۔
"نہیں۔ آپ سے زیادہ بہادر کون ہو سکتا ہے بھلا؟"
"سمجھ لوں گا سور سے" زنگارو نے دانت پیسے" آگے بڑھو اور ادریس کے بچے کو کاٹ کر پھینک دو۔ کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ

اولکا پر ہم سے پہلے اس نے جھنڈا لہرایا تھا۔"

اور زنگارو اپنے آدمیوں کو لے کر چوٹی کی طرف چلا۔

ادریس نے چوٹی پر سے یہ دیکھا اور اس نے دشمن کا ارادہ بھانپ لیا۔ وہ اکیلا تھا اور اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا۔

زنگارو اور اس کے آدمی آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ قریب آتے جا رہے تھے اور ادریس یہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے کس طرح اپنے آپ کو بچائے اور کس طرح اولکا پر اپنا قبضہ قائم رکھے۔

"دھائیں۔ دھائیں" زنگارو اور اس کے آدمیوں نے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔

ادریس ادھر ادھر بھاگنے لگا۔ اولکا میں دم بہ دم تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ اب وہ ایک جزیرے کی طرح بن گئی تھی۔ وہ بالکل ہماری زمین کی طرح تھی۔ یعنی تین حصے سمندر اور ایک حصہ زمین جیسا کہ ہماری دنیا میں ہے۔ اس کے علاوہ دیکھتے ہی دیکھتے اس پر شگاف، ٹیلے اور غار پیدا ہو گئے تھے البتہ درخت، جھاڑیاں اور گھاس وغیرہ نہ تھی۔

زنگارو اور اس کے آدمی برابر گولیاں چلا رہے تھے۔ اور ادریس شگافوں اور پہاڑوں کے پیچھے پناہ لے رہا تھا۔

دشمن قریب آ گیا تھا اور گولیاں سنسناتی ہوئی سر پر سے اور کانوں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔

اور زنگارو تو ارادہ کر چکا تھا کہ وہ چوٹی پر سے جا دوئی جھنڈا

کا جھنڈا اتار لے گا۔ چنانچہ وہ اسی طرف بڑھ رہا تھا۔
یہ جھنڈا فتح کی نشانی تھا۔
"میرے خدا! ہماری لاج رکھیو" ادریس نے دل ہی دل میں دعا مانگی۔
اور اس کی دعا قبول ہوئی۔
آسمان پر سے کوئی چیز گری۔
وہ آگے بڑھتے ہوئے دشمن کے درمیان گری۔
اور ایک زبردست دھماکا ہوا
زنگارو کے کئی ساتھی قلابازی کھا گئے۔
پھر دوسری اور پھر تیسری چیز گری۔
اور دھماکے ہوئے۔
دشمن بدحواس ہو کر بھاگا۔
ادریس نے اوپر نظر کی۔
اڑتا چراغ ان کے عین اوپر اور بہت نیچے چکر کاٹ رہا تھا۔ اور اس میں بیٹھے ہوئے پروفیسر اگڑم بگڑم جو بھی چیز ہاتھ میں آئی وہ دشمن پر پھینک رہے تھے۔ دو چار دستی بم، بندوق کی گولیاں خوراک کے ڈبے اور ایک دفعہ تو انھوں نے دواؤں کا پورا بکس ہی دشمن پر پھینک دیا۔
اتفاق کی بات کہ یہ بکس خود زنگارو کے سر پر پڑا۔ اس کا ایک کونا زنگارو کے سر میں اتر گیا اور بکس نیچے گرا اور اس کا ڈھکن کھل گیا۔ اندر کی بوتلیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ چنانچہ بکس میں سے دوائیں

بہہ رہی تھیں اور زنگارو کے ماتھے سے خون
خود اپنا ہی خون دیکھ کر زنگارو ڈر گیا۔
وہ ایک ظالم آدمی تھا اور ظالم ہمیشہ بزدل ہوتے ہیں۔
زنگارو اپنا سر دبا کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگا۔

ادھر پروفیسر اگڑم بگڑم جیسے دھل میں آ گئے تھے۔ وہ ننھے بچے کی طرح اچھل اچھل کر اور تالیاں بجا بجا کر کہہ رہے تھے:۔

"زنگارو — ڈنگارو — جھنکارو — گدھارو — الو دارو"

اور پھر وہ تان میں آ کر ہوائی جہاز بھاگتے ہوئے زنگارو کے عین سر پر آتے اور کوئی چیز اٹھا کر اس کے سر پر پھینک دیتے اور خوشی سے قہقہے لگاتے۔

ادریس نے پروفیسر اگڑم بگڑم کا یہ نیا اور انوکھا روپ دیکھا تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

اور زنگارو اور اس کے ساتھیوں کی سچ مچ درگت بن رہی تھی۔ دھڑا دھڑ اوپر سے مختلف قسم کی ہلکی اور وزنی چیزیں ان کی کھوپڑیوں پر گر رہی تھیں۔ اور چوٹی کی ڈھلان ایسی تھی کہ بھاگ کر اترنے میں پیر پھسل رہے تھے۔ چنانچہ دشمن کے دو چار آدمی اپنا توازن قرار نہ رکھ سکے تھے اور اب وہ یا تو کولھوں کے بل پھسل رہے تھے یا لڑھکنیاں کھا رہے تھے اور جب وہ لوگ کنارے پر پہنچے ہیں تو ایک نئی مصیبت انکی منتظر تھی

جوش اور غصے اور عجلت میں آدمی کی سمجھ بوجھ جاتی رہتی ہے۔
زنگارو اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ چوٹی پر پہنچنے کی جلدی اور جوش میں وہ کنارے پر آ گئے تھے لیکن کشتی کو کنارے

پر گیند لینے کا خیال نہ آیا تھا۔

چنانچہ اب جو کنارے پر پہنچے ہیں تو کشتی وہاں نہ تھی۔ سمندر کی موجیں اسے کنارے سے بہا لے گئی تھیں اور اب وہ بہت دور پہنچ کر موجوں پر جھوم رہی تھی۔

زنگارو اور اس کے ساتھی کنارے پر کھڑے سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا کریں کہ......

پروفیسر اگرام بگرام نے اوپر سے ایک ساتھ بہت سی چیزیں اُن کے سروں پر پھینک دیں۔

ساتھ ہی وہ ہوائی جہاز کو اس قدر نیچے لے آئے کہ دشمن کو خوف ہوا کہ اس کے تیزی سے گھومتے ہوئے پنکھے کہیں ان کے سر ہی نہ اُڑا دیں۔

چنانچہ زنگارو اور اس کے آدمیوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور سمندر میں کود پڑے۔

اور اُن کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔

کیونکہ سمندر کا پانی گرم تھا۔ برف کبھی کا پگھل گیا تھا۔

ادلکا کا وہ حصہ جو سطح آب سے باہر تھا اسی کے، یعنی ادلکا کے کسی کیمیائی اثر سے سرد اور سخت بن گیا تھا۔ لیکن اس کے بطن میں ابھی گرمی موجود تھی، جس طرح کہ ہماری زمین کے بطن میں موجود ہے۔ چنانچہ اس گرمی نے ادلکا کے اردگرد کے پانی کو گرم کر دیا تھا۔

بے شک پانی کھولتا ہوا نہ تھا کہ زنگارو اور اس کے آدمیوں

کی کھال اُدھڑ جاتی۔ تاہم خاصا گرم تھا۔ وہ لوگ پانی میں جھلس رہے تھے۔ ایک یہی مصیبت کیا کم تھی کہ اوپر سے پروفیسر اگرام بگرام ہوائی جہاز بہت نیچے لاکر ان سے چھیڑ چھاڑ کر رہے اور انھیں سہمارہے تھے۔

پروفیسر صاحب تو آج ایک نئی خوشی بلکہ موج میں آگئے تھے۔ انھوں نے صحیح معنوں میں دشمن کے چھکے چھڑا دیے تھے اور دشمن کو پریشان اور خوف زدہ کرنے میں انھیں بہت مزہ آرہا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اس آواز کو بھی بھول گئے تھے جو وائرلیس سیٹ سے سنائی دے رہی تھی۔

اور یہ کپتان خلیل کی آواز تھی جو کہہ رہی تھی:۔

"ابے او اگڑمے بگڑمے —— ہلو —— ابے بڈھے —— سن رہا ہے کہ نہیں —— ہلو —— ابے بندر، گوریلے، لنگور، چمپانزی، مچھر کھٹمل، پسّو، اور بلاؤ —— ابے سن رہا ہے کہ تیرے کان بلّی نے کھا لیے؟"

جب کپتان نے غصّے ہو کر ٹھیٹھ اپنی ہی بولی میں انھیں مخاطب کیا۔ تب پروفیسر صاحب اس طرف متوجہ ہوئے اور بولے:۔

"اوہ —— ہلو —— کپتان! جادوئی چراغ پر سے بول رہے ہو؟"

"نہیں۔ جہنم میں سے بول رہا ہوں" کپتان خلیل نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"اچھا ٹھکانا ہے" پروفیسر صاحب نے جواب دیا اور ان کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"ابے بڈھے! یہ کھی کھی کیا کر رہا ہے؟" کپتان خلیل کا مزاج بگڑ گیا۔

"بات یہ ہے کپتان! کہ اس زنگارود کے بچے کو پریشان کرنے میں لطف آ رہا ہے۔"

"بھیڑیے، لومڑی، لکڑ بگھے!"

اب پروفیسر صاحب کو غصہ آ گیا۔ کڑک کر پوچھا:۔

"کس کو کہہ رہے ہو؟ زبان سنبھال کے۔ ورنہ وائرلیس اٹھا کر تمھارے سر پر دے ماروں گا۔ سمجھا کیا ہے تم نے؟"

"تمھیں کہہ رہا ہوں اور کس کو۔ میں یہاں پھنس گیا ہوں اور تم وہاں لطف حاصل کر رہے ہو؟"

اب پروفیسر قدرے سنجیدہ بن گئے۔ پوچھا:۔

"خیریت تو ہے؟ کیا ہوا؟ پیٹ میں درد ہے گیا؟"

"ہاں"

"انا للہ۔۔۔۔۔"

"انا للہ ہو جاؤ تم" کپتان پھنکارے۔

"لیکن پیٹ میں تو تمھارے درد ہے۔"

"ابے بڈھے! تیری ایسی کی تیسی۔ پیٹ میں میرے نہیں بلکہ جہاز کے پیٹ میں درد ہے"

"تو اسے ہمدرد کی پچنول کھلا دو۔"

"ابے! تو سنے گا بھی یا اپنی ہی چلائے جائے گا؟"

"اچھا بھئی مذاق بند۔ ہاں کہو۔ کیا ہوا ہے؟"

"میں یہاں پھنس گیا ہوں۔"

"یہ تو تم کہہ چکے ہو۔"

"جادوئی چراغ کے انجن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"

"ایں۔"

"ایں اور ہیں رکھو اپنے پاس۔ انجن خراب ہو گیا ہے اور جہاز نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے جا سکتا ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟"

"تم یہاں آجاؤ فوراً"

"کیوں"

"تمھارا اچار ڈالنا ہے" کپتان نے کہا "طوطے، مینا، چرکٹ، ہُدہُد۔"

"ارے بس ۔ باس۔"

"تو آؤ یہاں فوراً۔ تین دنوں تک جادوئی چراغ ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکے گا۔"

"تین دنوں تک؟"

"اب یہاں آتے ہو یا ہوا میں بیٹھے بیٹھے ہانکتے رہو گے؟ میں اور شریف اپنی سی کوشش کر چکے۔"

"شریف! یہ کون ذاتِ شریف ہیں؟ کیا تم بھی اپنا کتا ساتھ لائے ہو؟"

"اب یہاں مرتے ہو کہ نہیں؟" کپتان صاحب گرجے۔

"مرتا ہوں ۔ میرا مطلب ہے مردم ۔ میں آتا ہوں۔"

زنگارو اور اس کے ساتھی ابھی سمندری دیو پر نہ گئے تھے اور خود

پروفیسر کا ارادہ فی الحال واپس جانے کا نہ تھا بلکہ وہ اولکا پر گریٹیم تلاش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن اولکا جزیرے پر ہوائی جہاز اتارنا ممکن نہ تھا۔ اور ہوا میں چکر لگانے کا کوئی مطلب نہ تھا۔ اس کے علاوہ واپس آؤ کا حکم کپتان کی طرف سے مل گیا تھا اس پر عمل کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ یہ ننھا سا ہوائی جہاز ظاہر ہے کہ انھیں ہزاروں میل دور وطن تک نہ پہنچا سکتا تھا۔

وہ ہوائی جہاز بہت نیچے لے آئے اور ادریس کے گرد اسے چکر دیتے ہوئے چیخ کر کہا:۔

"ادریس! جادوئی چراغ کے انجن میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ کپتان خلیل نے ہمیں فوراً طلب کیا ہے۔ میں سیڑھی لٹکاتا ہوں۔ تم آجاؤ۔ ہمارا کام پورا ہوا۔ اولکا ہم نے فتح کرلی۔ تم ایک بڑا سا پتھر اپنے ساتھ لے لینا کہ ہم اس پر تحقیق کرسکیں۔"

"آپ جائیے پروفیسر صاحب!" ادریس نے جواب دیا۔

"میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"یہ جزیرہ اب ہمارا ہے اور اس کی حفاظت ہمارا فرض۔ اگر ہم دونوں ہی چلے گئے تو دشمن اس پر قبضہ کرے گا۔ چنانچہ آپ کے واپس آنے تک میں یہیں ٹھہرتا ہوں۔"

"اس کی میرے خیال میں کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن جیسی تمھاری مرضی۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا۔"

اور جب ہوائی جہاز اوپر اٹھ رہا تھا تو ٹیاؤں۔ ٹیاؤں کی آواز آئی

یہ جیکی تھا۔ وہ ادریس کے پاس پہنچنے کی کوشش کبھی سے کر رہا تھا اور جب ہوائی جہاز اوپر اٹھ رہا تھا تو اس نے اولکا جزیرے میں چھلانگ لگا دی۔

جیکی کافی اونچے سے گرا تھا۔ چنانچہ اس کی ہڈیاں ہلکی تو ہو گئیں تاہم وہ اٹھا، لنگڑاتا ہوا ادریس کے قریب پہنچا اور اس کے پیر چاٹنے لگا دفعتہً ادریس کو کچھ یاد آیا۔ وہ ہوائی جہاز کی طرف ہاتھ ہلا ہلا کر چلایا

"پروفیسر! پروفیسر!!"

اس کی آواز تو پروفیسر تک کیا پہنچتی۔ البتہ اس کے ہاتھ ہلتے انھوں نے دیکھے۔ وہ ایک بار پھر ہوائی جہاز کو نیچے لے آئے۔

"کیا ہے؟"

"آپ پتہ نہیں کب واپس آئیں گے اور یہاں ساتھ میں پیٹ لگا ہے" ادریس نے کہا "اور اس جزیرے پر گھاس کی پتی تک نہیں خوراک کے دو چار ڈبے پھینکتے جائیے۔"

پروفیسر صاحب ہوائی جہاز میں خوراک کے ڈبے تلاش کرنے لگے تب انھیں پتہ چلا کہ بچگانہ جوش اور خوشی میں اور بہت سی چیزوں کے ساتھ انھوں نے خوراک کے ڈبے بھی دشمن کو پھینک مارے تھے۔ ایک چھوٹا سا ڈبہ، جو ایک طرف سے کھلا ہوا تھا، باقی رہ گیا تھا۔ انھوں نے یہ ڈبہ ادریس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا:۔

"اور تو کچھ نہیں ہے یہ ایک ڈبہ رہ گیا ہے۔ فی الحال اسی سے کام چلاؤ۔"

اور ہوائی جہاز اوپر اٹھ کر اس طرف چلا گیا جس طرف جادوئی

چراغ تھا۔

اب اولکا جزیرے پر ادریس اور جیکی رہ گئے۔

"جیکی!" ادریس نے جیکی سے کہا "اچھا ہوا تو آ گیا۔ ایک سے دو بھلے۔ آج میں بہت خوش ہوں میرے دوست! کولمبس جب پہلی دفعہ امریکہ پہنچا تھا تو اسے جتنی خوشی حاصل ہوئی ہو گی میں اس سے دگنی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ یہ بات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔ کہ اولکا کو، یعنی پہلی اولکا کو تلاش کرنے والا ادریس تھا۔ یوں تو آسمان میں بے شمار تارے ہیں جو ٹوٹتے بھی رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی ٹوٹے ہوئے تارے کو کسی نے تلاش کیا ہے؛ اس پر اپنا جھنڈا لہرایا ہے؛ میرے دوست جیکی! شہاب ثاقب، یعنی ٹوٹے ہوئے تارے پر قدم رکھنے والا میں پہلا انسان ہوں۔"

جیکی بھونکا۔

"ہاں یار! میں تو بھول ہی گیا۔ میں پہلا انسان ہوں جس نے شہاب ثاقب پر قدم رکھا ہے اور دنیا کے جانوروں میں سے تم پہلے جانور ہو۔ لو۔ اب تو خوش ہوئے؛ لیکن ابھی اس اولکا کے متعلق تحقیق باقی ہے۔ یعنی یہ معلوم کرنا باقی ہے کہ یہ کتنی لمبی ہے، کتنی چوڑی ہے، کتنی اونچی ہے، اس کا کتنا حصہ سمندر میں غرق ہے، اس میں کون کون سی دھاتیں ہیں، اس کے بطن میں گرمی کتنی ہے، اس کی تہیں کتنی ہیں، اس کا یہ حصہ جس پر اس وقت ہم ہیں ایسی سرعت سے سرد اور سخت کیوں اور کیسے ہو گیا، اس پر کیا کیا چیزیں غلے کی قسم سے پیدا ہو سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

جیکی پھر بھونکا۔

"اوہ ـــ بھوک لگی ہے تمھیں، بھوک تو مجھے بھی لگی ہے لیکن خوشی میں میں سب کچھ بھول ہی گیا تھا"

"باؤ۔ باؤ"

"ٹھیک ہے۔ پہلے پیٹ پوجا۔ بعد میں سب کچھ"

اور ادریس نے ڈبہ کھولا جو پہلے ہی سے تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔

"ارے!" وہ اچھل پڑا۔

ڈبے میں سے ایک گھناؤنی مکڑی پیٹ سے نیچے گری اور بھاگی ایک طرف۔

"یہ مکڑی ڈبے میں کہاں سے آ گئی؟" وہ بڑبڑایا۔

اور اسے وہ مکڑی یاد آ گئی جو دوربین کے شیشے پر تھی اور جب ادریس نے دوربین سے آسمان کی طرف دیکھا تھا تو اسے وہ بہت بڑی دکھائی دی تھی۔

"شگون اچھے نہیں ہوئے جیکی!" وہ بولا "جب میں نے پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ میں دوربین پر مکڑی دیکھی تھی تو یہ اولکا دنیا سے ٹکرانے والی تھی۔ اب یہاں بھی ڈبے میں سے یہ مکڑی نکلی ہے۔ چنانچہ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا"

لیکن جیکی مکڑی کا پیچھا کر رہا تھا۔ مکڑی اولکا پر کی ایک دراڑ میں گھس گئی۔ جیکی اس دراڑ میں 'فوں۔ فوں' کر کے اپنی ناک گھسیڑنے لگا۔

"اب جانے دو اسے وہ اولکا پر کی پہلی مکڑی ہے" ادریس

نے کہا "آؤ اب کھانا کھالو"

اور اس نے ایک بسکٹ جیکی کے سامنے ڈال دیا۔ وہ اسے نگل گیا۔ ادریس نے اسے دوسرا بسکٹ دیا وہ بھی ہڑپ کر گیا اور پھر پلٹ کر لکڑی تلاش کرنے لگا۔

"جانے دے بھائی! کیوں اس بچاری کے پیچھے پڑا ہے مفت یہ آخری بسکٹ کھا اور خدا کا شکر ادا کر کہ اس نے ہمیں اپنا رزق یہاں بھی پہنچا دیا۔"

"لو بھائی بسکٹ ختم۔ اب یہ ایک آم ہے اور ایک سیب۔ اب یہ میں کھاتا ہوں۔ تمھارا حصہ تمھیں مل گیا۔"

اور اس نے سیب پر دانت مارے ہی تھے کہ فوراً اسے ہاتھ سے پھینک دیا۔

"چھی۔ تھو۔ جیکی تیری نظر لگ گئی۔"

سیب میں سے ایک گھناؤنا سفید کیڑا نکل آیا تھا۔

ادریس نے سیب پھینک دیا۔ وہ لڑھکتا ہوا دور چلا گیا۔

سفید کیڑا رینگتا ہوا ایک پتھر کے نیچے گھس گیا۔

ادریس نے آم کھایا اور گٹھلی وہیں پھینک دی۔

"جیکی میرے دوست! اب بندہ تو سوتا ہے۔ نیند آرہی ہے۔"

"بھوں۔ بھوں۔"

"بستر! ارے بھائی، یہ شورٹ بستر کا کام دے گا۔ رہا اوڑھنے وغیرہ کا سوال تو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم ہندوستان میں ہیں اس کے باوجود یہاں تو خاصی گرمی ہے۔"

ادریس لیٹ گیا۔ اس کے قریب ہی جیکی نے اپنی اگلی ٹانگیں لمبی کر دیں، ان پر تھوتھنی رکھی اور آنکھیں بند کر لیں۔

(۱۹)

پتہ نہیں وہ کب تک سوتا رہا اور پتہ نہیں وہ کب تک سوتا رہتا۔ یکایک دھماکوں سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور پھر فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ پتہ نہ چلا کہ یہ دھماکے کاہے کے تھے اور کہیں تھے۔

اس نے سوچا کہ شاید سمندری دیو توپیں چلا رہا تھا۔

اس نے سمندر کی طرف دیکھا۔ دور دور تک زنگارو کے جہاز سمندری دیو کا پتہ نہ تھا۔ جانے کہاں چلا گیا تھا؟

"تو پھر یہ دھماکے کاہے کے تھے؟"

ایک دم سے جیکی بھونکتا ہوا ایک طرف بھاگا۔ ادریس اسی کے پیچھے لپکا۔ وہاں کوئی انڈے جیسی وہ انڈے جتنی کوئی چیز پڑی ہوئی تھی۔ انڈے جیسی وہ چیز دیکھتے ہی دیکھتے بڑھنے اور پھیلنے لگی۔ وہ بڑھتی ہی چلی، وہ پھیلتی ہی چلی گئی، وہ انسانی قد سے بھی بلند ہو گئی، وہ غبارے کی طرح بن گئی اور پھر... "دھڑام" سے پھٹ گئی۔

ادریس نے دونوں ہاتھوں سے کان بند کر لیے
جیکی دور بھاگ گیا اور بے تحاشہ بھونکنے لگا

اور کیپر ادریس ہنسا۔

"ارے جیکی!" وہ بولا یہ تو کُکرمتّے ہیں۔ وہی جو ہمارے یہاں بارشوں میں اُگ آتے ہیں۔ اور جنھیں ہمارے یہاں کے بچے بندر کے چھاتے کہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں تاروں میں یا اس تارے میں جس کا ایک ٹکڑا یہ ادلکا ہے، کُکرمتّے کے بیج ہونے چاہئیں۔ یہاں کی فضا اور آب وہوا میں یہ جو بیج پودے بننے لگے ہیں اور پھر وہ بڑے ہو کر پھوٹنے لگے ہیں۔ چلو یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ یعنی ادلکا پر کُکرمتّا دیکھتے ہی دیکھتے پیدا ہو جاتا اور بڑھ کر بہت بڑا بن جاتا ہے اور پھر دھڑام سے پھٹ جاتا ہے"

دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے کُکرمتّے اگ آئے۔ یہاں تک کہ پورا ادلکا جزیرہ ان سے بھر گیا۔ اور پھر یہ کُکرمتّے ایک کے بعد ایک پھیل کر اور بڑھ کر دھڑام دھڑام پھٹنے لگے۔ ادریس اور جیکی ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

ادریس جیکی سے کہہ رہا تھا۔

"کُکرمتّے اتنے بڑے نہیں ہوتے۔ بس ایک انگلی جتنے ہوتے ہیں۔ امریکہ وغیرہ میں جہاں یہ پکا کر کھائے جاتے ہیں، ان کی کاشت اور دیکھ بھال کی جاتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ ایک فٹ بلند ہوتے ہیں۔ لیکن اس ادلکا پر کسی خاص قسم کی مٹی ہے۔ کہ استنے بڑے ہو جاتے ہیں اور جب اس سے زیادہ بڑے نہیں ہو سکتے، یعنی جب ان کے پھیلنے کی انتہا ہو جاتی ہے۔ تو پھٹ جاتے ہیں۔ لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو اس جزیرے

پر ہمارا استقبال ہو رہا ہے

لیکن اس وقت جیکی منہ اٹھا کر بھونکنے لگا۔

ادریس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ کچھ دکھائی نہ دیا۔ البتہ گڑگڑاہٹ کی سی آواز سنائی دی۔

"پروفیسر اگڑم بگڑم ہوائی جہاز لے کر واپس آ رہے ہیں۔" وہ سر ہلا کر بولا "یہ آواز اسی کی معلوم ہوتی ہے۔"

لیکن یہ آواز ہوائی جہاز کی نہ تھی۔

جس کی یہ آواز تھی اسے دیکھ کر ادریس اور جیکی سہم گئے۔ ادریس سر پہ پاؤں رکھ کر اور جیکی دم دبا کر بھاگا

ایک بہت بڑا بلکہ جناتی پتنگا تھا جو "گھن۔ ن۔ ن" کرتا ان کی طرف آ رہا تھا۔

اور اس نے ادریس پر حملہ کر دیا۔ ادریس نے "ہش۔ ہش" اور "ہٹ۔ ہٹ۔ ہا۔ آ۔ ٹ" کہہ کر بلکہ چیخ کر دونوں ہاتھ دیوانہ وار چلائے

کچھ دیر تک تو پتنگا ادریس کے گرد منڈلاتا رہا اور پھر ایک طرف چلا گیا۔

"چلو بلا ٹلی" ادریس بڑبڑایا۔ "لیکن پتنگا آیا کہاں سے؟ تو کچھ بتا سکتا ہے جیکی؟"

"کیاؤں۔ کیاؤں" جیکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کل ہم نے سیب پھینک دیا تھا۔ کیونکہ اس میں سے ایک کیڑا نکلا تھا۔ وہی کیڑا ایک رات میں یہ جناتی پتنگا بن گیا۔"

"اور پھر ایک دم سے وہ اچھل پڑا اور اس کے منہ سے

اختیار نکلا :-

"باپ رے"

جب اس نے ادلکا جزیرے پر قدم رکھا تو یہاں کچھ نہ تھا۔ نہ درخت، نہ جھاڑی اور نہ گھاس کی پتی۔ لیکن اب جو اس نے دیکھا تو سامنے ایک جناتی درخت کھڑا ہوا تھا۔

"یکایک یہ درخت کہاں سے اُگ آیا؟" وہ بڑبڑایا "یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم جادو کی دنیا میں آ گئے ہیں"

"تڑاپڑ" اس کے سر پر کچھ گرنے لگا۔

ادریس نے گھبرا کر دیکھا۔

درخت کی ٹہنیاں اس کے سر پر پھیل گئی تھیں اور درخت کے پھل تھے جو اس کے سر پر گر رہے تھے۔

اور یہ پھل بہت بڑے بڑے سیب تھے۔

"کمال ہے" وہ بولا "گزشتہ کل جو میں نے سیب پھینک دیا تھا اس کے بیج میں سے راتوں رات نہ صرف یہ درخت پیدا ہو گیا بلکہ پھل بھی لے آیا"

اور ابھی ادریس اسی ایک عجوبے پر غور کر رہا تھا کہ اس کی نظروں کے سامنے دوسرے عجائبات ہونے لگے۔

زمین پر پڑے ہوئے سیبوں میں سے پودے نکلنے اور درخت بننے اور پھل لانے لگے۔ اور ایک طرف آم کا درخت کھڑا تھا۔ یہ گٹھلی سے پیدا ہو گیا تھا۔ جس کا آم ادریس نے گزشتہ کل کھایا تھا۔

وہ آم بھی پھل لے آیا تھا۔ اس کے پھل بھی گر رہے تھے اور اب

ان سے آم کے درخت پیدا ہو رہے تھے۔

جزیرے پر ان درختوں کی پیدائش ایسی ناقابل یقین سرعت سے بڑھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے اولکا جزیرہ ایک گھنا جنگل بن گیا۔

جیکی تو باؤلا بن کر اِدھر اُدھر بھاگ رہا اور بھونک رہا تھا۔

"جیکی!" ادریس نے کہا "بات تو واقعی حیرت کی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو خدا کی قدرت کا تماشہ نظر آتا ہے۔ اولکا میں جو کھاد ہے وہ قدرتی ہے اور ایسی ہے کہ یہاں نباتات پلک جھپکتے میں بڑھ جاتے ہیں اور تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہاں کی مٹی ہمارے یہاں کی کھادوں میں ملا دی جائے تو ہر چیز ایسی افراط سے پیدا ہو کہ ہمارا ملک غلے، مونگ پھلی اور دوسری چیزوں کے سلسلے میں دوسرے ملکوں کا محتاج نہ رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارا غریب دیس امیر بھی بن جائے۔ خدایا ــــ یہ کیا؟"

ادریس ایک دم سے بت بن گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور خون خشک ہو گیا۔

ایک بہت بڑی اور خوف ناک مکڑی اپنی گھنا ؤنی اور بالدار ٹانگوں سے چلتی ان کی طرف آ رہی تھی۔

"جیکی! یہ تو وہی مکڑی ہے جو کل خوراک کے ڈبے میں سے نکل کر کہیں گھس گئی تھی۔ وہی جس کا تو نے پیچھا کیا تھا۔ آج یہ اتنی بڑی بن کر ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔ جیکی بھاگ ورنہ ہم اس اولکا پر نہ صرف پہلے بلکہ آخری بھی جانداز ہوں گے ــــ بھاگ ــــ جیکی! بھاگ۔"

اور وہ بھاگا۔
جیکی بھی دم دبا کر بھاگا۔

(۲۰)

وہ زبردست اور خوفناک مکڑی پیچھا کر رہی تھی۔

ایک دفعہ پہلے بھی ادریس نے ایسی خوفناک مکڑی دیکھی تھی۔ لیکن وہ مکڑی حقیقت میں ایسی زبردست اور خوفناک نہ تھی۔ بلکہ دوربین سے ایسی نظر آئی تھی۔

لیکن یہ مکڑی تو سچ مچ اتنی بڑی، ایسی خوفناک اور خونخوار تھی۔ گذشتہ کل کی ننھی سی اور حقیر مکڑی آج ایسی بن گئی تھی کہ ادریس اور جیکی سے ڈرنے کے بجائے ان کا تعاقب کر رہی تھی اور ادریس اور جیکی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے تھے۔

جناتی مکڑی کی دوڑ بھی ظاہر ہے کہ جناتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اب اسے بڑے شکار کی ضرورت تھی۔ یہ مکڑی جب چھوٹی تھی تو مکھیوں وغیرہ سے اپنا پیٹ بھر لیتی تھی۔ لیکن اب اسے کھانے کے لیے ادریس چاہئے تھا۔

چنانچہ ادریس اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ راستے میں کھڈ اور شگاف آتے تو وہ بڑی مشکلوں سے اسے پھلانگ سکتا یا پھر چکر کاٹ کر دوسری طرف پہنچتا۔ لیکن وہ مکڑی آسانی سے بڑی آسانی سے ان کھڈوں اور شگافوں پر سے گزر جاتی۔ اور کبھی

تو وہ جیسے ہوا میں پرواز کرتی معلوم ہوتی۔

یہ عجیب دوڑ تھی۔

جان بچانے اور جان لینے کی دوڑ۔

اور اس دوڑ میں ادریس تھک رہا تھا، اس کا سانس پھول رہا تھا۔ موت اس کا پیچھا کر رہی تھی اور بڑی ہی بھیانک موت تھی یہ۔

ادریس کو یقین ہو چلا تھا کہ اس دوڑ میں وہ ہار جائے گا۔

اور پھر......

یہ خوفناک مکڑی اطمینان سے اس کے جسم کا تمام خون چوس لے گی۔

ادھر جزیرے پر درختوں کے پیدا ہونے اور بڑھنے کا سلسلہ جاری تھا۔

اور دوسری طرف مکڑی اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

رہا جیکی تو وہ ڈرپوک خرگوش بن گیا تھا اور ادریس سے کئی قدم آگے بھاگ رہا تھا۔

ادریس کا سانس اب پھیپھڑوں میں نہ سما رہا تھا۔ ایک درخت کے نیچے پہنچ کر وہ ٹھہر گیا کہ اپنا دم درست کر لے۔

لیکن مکڑی ایک دم سے بہت قریب آ گئی۔

ادریس پلٹ کر بھاگا۔

لیکن دوسرے ہی قدم پر درخت کی ابھری ہوئی جڑ سے ٹھوکر کھا کر اوندھے منہ گرا۔

چشم زدن میں مکڑی اس کے قریب پہنچ چکی تھی۔

اب بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ ادریس نے مایوس ہونا سیکھا نہ تھا۔

اور یہ بات کہانیاں پڑھنے والے جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ

اس نے ہمت نہ ہاری تھی۔ لیکن اب وہ مایوس ہوگیا

اور اب وہ ہمت ہار بیٹھا۔

اور بات تھی بھی ایسی ہی۔

ادریس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا جس سے وہ مکڑی کا مقابلہ کرتا، کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں چھپ کر وہ اپنے آپ کو بچا سکتا اور پھر اس کا سانس پھول رہا تھا اور تھکن سے ٹانگیں من من بھر کی ہو رہی تھیں۔

اور وہ اپنی موت کا انتظار کرنے لگا۔

"الوداع! کلیاں پڑھنے والے میرے ننھے دوستو!" اس نے دل میں کہا "جب بھی میرے کارنامے تمھیں یاد آجائیں میرے لیے مغفرت کی دعا کرنا۔"

(اور مظہر الحق علوی سوچ رہا ہے کہ اگر ادریس مر گیا تو اس کی کہانیوں کے لیے ایسا دوسرا ہیرو کہاں سے آئے گا؟)

اور ادریس نے خدا کو یاد کیا اور سوچا کہ یہ زبردست مکڑی، جو اب اس کے سر پر پہنچ چکی تھی، کوئی دم میں اس کے گرداگرد جالا بن دے گی، ادریس اس میں پھنسا تڑپتا رہے گا اور مکڑی اطمینان سے اس کا سارا خون چوس لے گی۔

جیکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

ادریس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور موت کا انتظار کرنے لگا۔

مکڑی کی بڑی بڑی آنکھیں فتح کی خوشی سے چمک رہی تھیں۔

اس کے منہ سے "فوں۔ فوں" کی آواز نکل رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ مزے لے لے کر اپنے شکار کی طرف بڑھی۔
لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ مارنے والے سے جلانے والا قوی ہے
جو کچھ ہوا وہ معجزہ تو نہ تھا لیکن ادریس کے لیے معجزے سے کم نہ تھا۔
کہ اسی سے اس کی جان بچ گئی۔

درختوں کے پیدا ہونے، بڑھنے، پھلنے پھولنے اور پھیلنے کے علاوہ بڑے بڑے پھلوں کے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

جب مکڑی خوشی سے گویا ناچتی ہوئی اپنے شکار یعنی ادریس کی طرف بڑھ رہی تھی تو درخت پر سے ایک پھل ٹوٹا۔ یہ ایک بہت بڑا سیب تھا کیونکہ یہ سیب کا درخت تھا۔ جس کے نیچے ادریس تھا۔

سیب ٹوٹ کر سیدھا مکڑی پر گرا۔ ایک تو سیب بہت بڑا اور سخت تھا اور پھر وہ کافی بلندی سے گرا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مکڑی کا بھیجا نکل گیا اور اس کی آٹھوں ٹانگیں سیب کے چاروں طرف سے باہر نکل کر اوپر آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ یہ گھناؤنی بال دار ٹانگیں کچھ دیر تک ہلتی رہیں اور پھر بے جان ہو کر زمین پر بچھ گئیں۔

ادریس آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اور موت کا انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد بھی جب کچھ نہ ہوا تو اس نے آہستہ سے آنکھیں کھول دیں۔

مکڑی سیب کے نیچے دبی پڑی تھی۔

وہ مر گئی تھی۔

ادریس اس غیبی مدد سے اور پھر اپنی جان بچ جانے کے خیال سے مارے خوشی کے دیوانہ بن گیا اور اٹھ کر ناچنے لگا۔

ہر چیز کی انتہا بری ہوتی ہے۔ چنانچہ خوشی کی انتہا بھی بری ہوتی ہے۔

غم میں اور خوشی میں بھی آدمی کو اپنے حواس قائم رکھنے چاہئیں ورنہ نتیجہ برا ہوتا ہے۔

یہی ادریس کے ساتھ بھی ہوا۔

وہ خوشی سے ایسا از خود رفتہ ہو رہا تھا کہ اسے کسی بات کا دھیان ہی نہ رہا۔ وہ یہ تک بھول گیا کہ درخت پر سے اب بھی سیب گر رہے تھے۔

اسی درخت کے ایک پھل نے مکڑی پر گر کر اسے پچی کر دیا تھا اب اسی درخت کا دوسرا پھل عین ادریس کے سر پر گرا۔

اس کا دماغ ہل گیا، آنکھوں کے سامنے لال پیلے دھبے ناچ گئے، پھر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر بے ہوش ہو کر گرا۔

جیکی نے دور سے مکڑی کو مرتے دیکھ لیا تھا۔ لیکن اب بھی وہ قریب آنے کی ہمت نہ کر سکا تھا۔ اب اس نے ادریس کو گرتے دیکھا تو بے قرار ہو کر دوڑا آیا۔

وہ ادریس کے قریب پہنچا، اس نے ادریس کو ادھر ادھر سے سونگھا وہ اس کے کانوں کے قریب منہ لے جا کر بھونکا۔ اس نے ادریس کی قمیص دانتوں میں پکڑ کر کھینچی، اس کی پتلون پکڑ کر کھینچی۔

لیکن ادریس نہ اٹھا۔

جیکی منہ اٹھا کر بھیانک آواز میں رونے لگا۔

(۲۱)

کپتان خلیل، شریف اور پروفیسر اگڑم بگڑم کی کوششوں سے عادوئی جراغ کے انجن کی خرابی دور ہو گئی تھی اور کپتان خلیل نے اطمینان کا سانس لیا۔

"پروفیسر!" کپتان خلیل نے اگڑم بگڑم سے کہا "آپ کی ضرورت تو اب بھی مجھے ہے۔ لیکن ادریس کی زیادہ فکر ہے۔ آپ ہوائی جہاز لے کر جائیں اور اس کی خیریت معلوم کر کے آئیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہے؟"

"کس حال میں کیا۔ بس مزے میں ہو گا" پروفیسر صاحب نے اطمینان سے کہا۔ "زنگا زو اور اس کے آدمیوں کو میں نے بھگا دیا ہے۔ اور ادریس کے لیے خوراک کا ایک ڈبہ پھینک آیا ہوں۔ چنانچہ وہ مٹھا اپنے پیارے کتے کے ساتھ اولکا پر یک تک تماشا دیکھ رہا ہو گا۔"

"پھر بھی آپ ایک چکر لگا آئیے" کپتان نے کہا "بہت زیادہ دیر ہو گئی ہے۔ اور مجھے فکر ہو رہی ہے۔ یہ نہ بھولو پروفیسر! ادریس ہے تو ہم ہیں۔"

پروفیسر صاحب کو کپتان کی یہ بات بری معلوم ہوئی۔ بولے۔

"یہ کیا کہتے ہو؟ یہ تم نے کیسے کہہ دیا کہ وہ ہے تو ہم ہیں۔ نہیں بلکہ میں ہوں تو تم سب ہو۔ آسمان سے تارا ٹوٹا اور جب سے اولکا زمین کی طرف آتی نظر آئی تب سے لے کر اب تک میں ہی میں تھا۔

نہیں یہاں تک لانے والا بھی تو میں ہی ہوں۔ چنانچہ کہو کہ پروفیسر آپ ہیں تو ہم ہیں۔"

اور پروفیسر صاحب نے اپنا بالشت بھر کا سینہ پھُلا لیا۔

کپتان خلیل صاحب کا غصہ تو ہمیں تیار ہی رہتا تھا۔ کڑک کر بولے

"اے بڈھے! تیری ایسی کی تیسی۔ جانتا ہے کہ پھر۔۔۔۔"

"نہیں جانتا۔ تمھارے باپ کا دیا نہیں کھاتا کہ تمھارا حکم مان لوں۔ سمجھا کیا ہے تم نے؟"

"کیا سمجھا ہے ـــ ہوں ـــ کیا سمجھا ہے ـــ اے ـــ ایں۔ ابھی بتاتا ہوں"

اور کپتان نے قریب پڑا ہوا ڈنڈا اٹھا لیا اور دانت پیستے ہوئے پروفیسر کی طرف بڑھے۔ پروفیسر صاحب نے کپتان صاحب کا بگڑا ہوا مزاج اور اس سے زیادہ بگڑی ہوئی صورت دیکھی تو ساری ہیکڑی بھول گئے اور اپنی سفید داڑھی ہلاتے جو بھاگے ہیں تو سیدھے ہوائی جہاز میں تھے اور چند سکنڈ میں ہی ہوائی جہاز ہوا میں تھا۔

کچھ ہی دیر بعد پروفیسر اگڑم بگڑم نے ہوائی جہاز میں سے اور بلندی پر سے جو کچھ دیکھا اس سے وہ چکرا گئے اور سوچنے لگے کہ وہ راستہ بھول کر کسی اور جگہ تو نہیں پہنچ گئے۔ یقین نہ آئے بات ایسی ہی تھی۔

انھوں نے گھبرا کر وائرلیس کے ذریعے کپتان خلیل سے رابطہ قائم کیا۔

"ہلو۔ ہلو۔ کپتان ـــ ہلو کپتان! میں پروفیسر اگڑم بگڑم بول

رہا ہوں "

"ہلو۔ ہلو۔ میں کپتان خلیل بول رہا ہوں۔ کیا ہے؟"

"غضب ہوگیا۔ کمال ہوگیا۔ عجب ہوگیا۔ کیسے ہوگیا!"

"غضب ہوگیا؟ کمال ہوگیا؟ عجب ہوگیا؟ کیسے کیا ہوگیا؟"

"ہاں۔ ہاں ایسا ہی ہوگیا"

"ابے بک مر بڈھے۔ کیا ہوگیا۔ باگڑ بلے۔ لوٹڑ۔ گینڈے۔ ہپ ہپوٹےمس۔ جلدی بک کیا ہوگیا؟"

پروفیسر نے گھبرائی ہوئی آواز میں جواب دیا:۔

"پورا اولکا جزیرہ قدآور درختوں سے بھر گیا ہے۔ جناتی درختوں کا جنگل بن گیا ہے۔ کمال ہوگیا۔ مزہ آگیا"

"ابے گدھے!" کپتان کا مزاج بگڑ گیا "اولکا پر جنگل پیدا ہوگیا ہے اور تمھیں مزہ آرہا ہے؟"

"ہاں۔ ہاں" اب پروفیسر کی آواز میں خوشی تھی "یہ سب بگرڈینیم کا کمال ہے۔ اولکا میں ضرور کوئی ایسی دھات یا کھاد ہے جس کی وجہ سے نباتات کی نشوونما سرعت سے ہوتی ہے"

"جہنم میں جائے تمھارا بگرڈینیم" کپتان گرجے "ادریس کہیں دکھائی دیتا ہے؟"

"نہیں"

"کیا۔ آ۔ ا۔؟"

"ارے بھئی جنگل بے حد گھنا ہے۔ اس میں ادریس کہاں سے نظر آئے گا۔ نظر آ بھی نہیں سکتا۔ ہاتھی ہو تب بھی دکھائی

نہ دے اور ــــ میرے خدا کپتان ــــ !"

یہ آخری الفاظ پروفیسر کی ایک خوفزدہ چیخ تھی۔

"کیا ہوا؟ ــــ کیا ہوا؟" کپتان نے گھبرا کر پوچھا۔

پروفیسر خاموش رہے۔

"ابے او بیل ــــ بڈھے بھلنیے!" کپتان کی گھبراہٹ پر خوف غالب آگیا "ابے جلدی بک کیا ہوا؟"

"جو نہ ہونا چاہیئے"

"مطلب؟"

"اولکا جزیرہ آہستہ آہستہ سمندر میں بیٹھ رہا ہے۔ کپتان! وہ غرق ہو رہا ہے"

کپتان نے ایک دم سے چیخ کر پوچھا:-

یعنی ؟؟؟

"یعنی یہ کہ جیسے جیسے اولکا ٹھنڈی ہو کر سخت بنتی جا رہی ہے ویسے ویسے وہ سمندر میں غرق ہوتی جا رہی ہے۔ پہلے کی بہ نسبت اس وقت وہ پانی میں زیادہ غرق ہے اور سمندر اچھل اچھل کر اسے نگل لینا چاہتا ہے"

جادوئی چراغ پر کپتان خلیل کی گھبراہٹ اور خوف انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ باؤلے ہو گئے اور غصے میں چیخ کر کہا:-

"ابے بڈھے تیری تفصیلات کی مجھے ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ اولکا جزیرہ کتنے وقت میں غرق ہو جائے گا؟"

"کیا پوچھا تم نے؟ میں نے سنا نہیں"

"ابے بہرے! بلکہ بہروں کے سردار! میں نے پوچھا ہے کہ تمھارا یہ اولکا جزیرہ کتنے عرصے میں غرق ہو جائے گا؟"

"اولکا جزیرہ نہیں بلکہ اب اولکا جنگل کہو۔"

"اونٹ، بیل، گینڈے، بھینسے، تیندوے..." کپتان نے ایک سانس میں کوئی پچیس جانوروں کے نام لے ڈالے "ابے بڈھے تیرا جی چاہے تو اسے جنگل کہہ، پہاڑ کہہ، صحرا کہہ یا دلدل کہہ لے، تیرا جو جی چاہے کہہ لے۔ لیکن مجھے یہ بتا کہ تیری یہ اولکا یا جو کچھ بھی وہ ہے کتنے عرصے میں غرق ہو جائے گی؟"

"زیادہ وقت نہیں لگے گا" ہوا میں چکراتے ہوئے ہوائی جہاز میں سے پروفیسر نے کہا "اس کا بہت سا حصہ تو غرق ہو ہی چکا ہے اور جتنا حصہ پانی سے باہر ہے اس پر بس درخت ہی درخت ہیں — اور ہاں۔ اس کی چوٹی پر اب بھی ہمارا جھنڈا لہرا رہا ہے ہائے ہائے کیا منظر ہے۔"

"تیرے منظر کی دم میں نمدہ" کپتان چیخے "ادریس کو بچاؤ۔ نہیں تو میں تیرا بھرکس نکال دوں گا۔ ابے بڈھے! تجھے کچھ دھیان ہے کہ نہیں؟ جزیرے کے ساتھ ادریس بھی ڈوب جائے گا۔"

لیکن کپتان کے غصے اور بے چینی کے باوجود، ادریس کو پروفیسر کیسے بچا سکتے تھے۔

ادریس دیر سے بے ہوش پڑا تھا۔

اولکا پانی میں بیٹھنے لگی تھی۔ سمندر اس پر چڑھا آ رہا تھا۔ اولکا کا بہت سا حصہ زیر آب ہو چکا تھا۔ سمندر اولکا کو نگل

رہا تھا اور ادریس کو کچھ خبر نہ تھی۔

ایک جیکی تھا جو بھونکتا اور روتا ہوا اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔
ادریس اور جیکی کو درختوں نے یوں ڈھنک لیا تھا کہ پروفیسر صاحب انھیں دیکھ نہ سکتے تھے۔

اور اب سمندر ادریس کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔
جہاں ادریس بے ہوش پڑا ہوا تھا وہاں تک اولکا سمندر میں غرق ہو چکی تھی۔
اور اس کے غرق ہونے کا عمل جاری تھا۔ کبھی تو وہ گڑ گڑ کی آواز کے ساتھ ایک دم سے پانی میں اتر جاتی اور کبھی آہستہ آہستہ، نامعلوم طور پر ڈوبنے لگتی۔

بہرحال یہ تو یقینی بات تھی کہ اولکا غرق ہو جائے گی۔
سمندر بھی اسے نگل لینے کے لیے جیسے بے قرار تھا۔

ہر رات آسمان سے تارے ٹوٹتے ہیں، جب سے دنیا بنی ہے تب سے لے کر اب تک ان گنت تارے ٹوٹے ہوں گے۔ کتنے ہی زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھ کر فضا میں تحلیل ہو گئے ہوں گے۔ اور شاید کتنے ہی دنیا کے کسی حصّے میں گرے ہوں گے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا ہو گا۔ لیکن یہ پہلا تارہ تھا جسے انسان نے تلاش کیا تھا۔ یہ پہلی اولکا تھی جس پر انسان کے قدم پہنچے تھے۔

اور اب یہ اولکا ڈوب رہی تھی۔

اور اس کے ساتھ اولکا پر قدم رکھنے والا پہلا انسان ادریس بھی ڈوب رہا تھا۔

ڈوبتی اولکا کے عین اوپر ہوائی جہاز چکر کاٹ رہا تھا لیکن اس میں بیٹھے ہوئے پروفیسر اگڑم بگڑم کو ادریس کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا۔

اور پھر پروفیسر کو دفعتہً کچھ دکھائی دے گیا۔ ادھر ادھر بھاگتا ہوا جھبکی۔ اس نے ہوائی جہاز کو دیکھ لیا۔ وہ ہوا میں چھلانگیں لگانے لگا۔ وہ بھونک رہا تھا۔ لیکن اولکا پر ہوائی جہاز اتارنا ممکن نہ تھا اور جھبکی کے بھونکنے کا مطلب پروفیسر سمجھ نہ سکے۔

"کپتان!" انھوں نے وائرلیس میں کہا "اولکا کی چوٹی پر جھبکی دکھائی دے رہا ہے۔ وہ بھونک رہا ہے اور اچھل کود کر رہا ہے۔ لیکن ادریس کہیں نظر نہیں آتا"

"تلاش کرو۔ خدا کے لیے تلاش کرو" کپتان نے التجا کی۔ "اگر ضرورت ہو تو ہوائی جہاز کو درخت پر اتار دو۔ لیکن ادریس کو واپس لاؤ"

درخت پر کہیں ہوائی جہاز اتر سکتا ہے۔ لیکن گھبراہٹ میں کپتان خلیل دیوانے ہو گئے تھے۔ اور کیا بول رہے ہیں اس کا بھی انھیں دھیان نہ تھا۔

ایک طرف اولکا ادریس سمیت غرق ہو رہی تھی تو دوسری طرف زنگارو کچھ اور ہی منصوبہ گھڑ رہا تھا۔

یہ اس نے بھی دیکھ لیا تھا کہ اولکا غرق ہو رہی ہے۔ اس بات کی اسے خوشی تھی کہ وہ اولکا فتح نہ کر سکا تھا تو اولکا فتح کرنے والا پہلا انسان بھی اولکا کے ساتھ دنیا سے رد ہو

ہو رہا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب ادریس کسی صورت بچ نہ سکے گا۔ اور اس نے اپنا جہاز سمندری دیو اس طرف کھینگا دیا جس طرف جادوئی چراغ تھا۔

یوں بھی اسے واپس تو جانا ہی تھا۔ لیکن اب اس نے سوچا۔ وہ فتح کے پھریرے اڑاتا جائے گا۔ وہ کپتان خلیل سے نبٹ لے گا، جادوئی دیئے کو غرق کر دے گا اور پھر اپنے خفیہ ٹھکانے کا رخ کرے گا۔

اس کے بعد وہ اعلان کر دے گا کہ وہ اولکا پر ہو کر آیا ہے۔ پھر کوئی اسے جھٹلانے والا نہ ہوگا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہاری ہوئی بازی جیت لی جاتی ہے۔ زنگارو کو اب یقین ہو چلا تھا کہ وہ ہاری ہوئی بازی جیت لے گا۔

اور اس نے سمندری دیو کی رفتار تیز کر دی۔

کپتان خلیل نے دوربین کے ذریعے سمندری دیو کو آتے دیکھا انھوں نے زنگارو کا ارادہ بھانپ لیا۔ ان کا بہادر ساتھی ادریس ان کے ساتھ نہ تھا۔ پروفیسر اگڑم بگڑم ادریس کو تلاش کرنے گئے تھے اور انجن کی خرابی پتہ نہیں ٹھیک سے دور ہوئی تھی کہ نہیں۔

اب کیا ہوگا؟

کیا جادوئی چراغ بچ سکے گا؟

کیا ادریس بچ سکے گا؟

(۲۲)

ادریس بے ہوش پڑا تھا۔

زدلکا ڈوب رہی تھی۔

اب ایک نئی بات بھی ہو رہی تھی۔ ادلکا جب غرق ہوتی تو اس پر زلزلہ آجاتا۔ کئی ایک پتھر ٹوٹ کر سمندر میں جا پڑتے، کئی ایک درخت جڑ سے اکھڑ جاتے اور ادلکا کی زمین کئی ایک جگہ سے پھٹ جاتی اور شگاف پیدا ہو جاتے۔

ہوائی جہاز کو دیکھتے ہی جیکی میں نیا جوش، نیا ولولہ اور نئی ہمت پیدا ہو گئی تھی۔ اور کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی تو اس نے ادریس کو کاٹ لیا۔ اس کے نوکیلے دانت ادریس کی کھال میں اُتر گئے۔ شاید اس نے تکلیف محسوس کی۔ وہ بے ہوشی میں منمنایا جیکی بھونکا اور ادریس نے آنکھیں کھول دیں۔

چند ثانیوں تک تو وہ سمجھ نہ سکا کہ وہ کہاں تھا اور کیا ہو رہا تھا؛ آہستہ آہستہ اس کے دماغ پر کی دھند چھٹ گئی۔

وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔

اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ سمندر کی موجیں دوڑ دوڑ کر ادلکا پر چڑھ رہی تھیں۔ ادلکا بار بار لرز رہی تھی۔ پتھر اور درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

ادریس اٹھا اور اس بلند ترین چوٹی پر چڑھنے لگا جس پہ جھنڈا

لہرا رہا تھا۔

وہ اور جیکی اوپر پہنچے تو فضا میں چکر کاٹتا ہوا ہوائی جہاز نظر آیا اور لیس کی جان میں جان آئی اور پروفیسر صاحب کی بھی باچھیں کھل گئیں لیکن اولکا کے غرق ہونے کا عمل جاری تھا اور سوال یہ تھا کہ ادرلیس کو کیسے بچایا جائے؟

یہ ہوائی جہاز سمندر کی سطح پر اتر سکتا تھا۔ لیکن اس وقت سمندر پُرسکون نہ تھا۔ اولکا کے غرق ہونے کے عمل سے یا کسی اور وجہ سے اس میں اونچی اونچی موجیں اٹھ رہی تھیں۔

اس کے باوجود پروفیسر نے ہوائی جہاز سطح سمندر پر اُتار دیا۔

موجیں اسے تھپیڑے مارنے لگیں اور وہ ڈولنے لگا۔

پروفیسر نے افراتفری میں ربڑ کی ایک بچاؤ کشتی میں، جو تہ کی ہوئی ہوائی جہاز میں رکھی تھی، ہوا بھری اور اسے سمندر میں ڈال دیا۔ وہ تیرنے لگی۔ پروفیسر صاحب دو چپو اور تھوڑا سا ضروری سامان لے کر بچاؤ کشتی میں کود پڑے۔

اور اب وہ چپو چلا رہے تھے اور کشتی کو اولکا کی طرف لیے جا رہے تھے۔

لیکن موجیں ان کی دشمن بنی تھیں۔ پروفیسر چپو چلا کر کشتی کو آگے بڑھاتے تو موجیں اسے واپس گھسیٹ لے جاتیں۔ لیکن پروفیسر ہمت نہ ہار رہے تھے۔ وہ برابر چپو چلا رہے تھے۔ اولکا تک پہنچنے میں جتنی زیادہ دیر ہو رہی تھی ادرلیس کی موت اتنی ہی قریب آتی جا رہی تھی۔ اولکا اب بہت حد تک ڈوب چکی تھی۔ اس کی صرف وہی چوٹی

پانی کے باہر تھی جس پر ادریس اور جیکی تھے۔ اولکا پر کے جو درخت ٹوٹ گئے تھے وہ سمندر پر تیر رہے تھے اور پروفیسر کی راہ میں مشکلات پیدا کر رہے تھے۔

ایک دو دفعہ پروفیسر کشتی کو چوٹی کے قریب لے آئے۔ لیکن موجیں اسے واپس گھسیٹ لے گئیں۔

انھوں نے چپو چلا کر تیسری دفعہ کشتی چوٹی پر پہنچا دی اور ساتھ ہی ایک رسہ گھما کر ادریس کی طرف پھینکا۔ رسہ پھینکتے وقت خود بھی جھونک میں آ کر گھٹنوں کے بل کشتی میں آ گرے۔

ادریس نے دونوں ہاتھ چلا کر رسہ پکڑ لیا۔

رسے کے ساتھ ہوائی تھیلیاں تھیں۔ یہ تھیلیاں ربڑ کی ہوتی ہیں، چوکور اور بالشت ڈیڑھ بالشت کی ہوتی ہیں۔ ان میں ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے ان کے ساتھ ربڑ کا ہی ایک پٹکا ہوتا ہے۔ یہ پٹکا کمر سے باندھ لینے کے بعد آدمی ڈوبتا نہیں بلکہ یہ ہوائی تھیلیاں اسے سطح آب پر تیرتا رکھتی ہیں۔

ادھر بچاؤ کشتی کو موجیں پھر واپس گھسیٹنے لگی تھیں۔

اور پروفیسر صاحب اسے چوٹی کے قریب رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ادریس ہوائی تھیلیوں کا پٹکا اپنی کمر پر لپیٹ چکا تھا اور اب وہ جیکی کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ جیکی خوفزدہ ہو گیا تھا اور وہ ادریس کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ لیکن وہ بھاگ کر جاتا کہاں؟ ایک موج آئی اور جیکی کو اپنے ساتھ گھسیٹ کر

لے جانے لگی۔ ادریس نے لپک اس کی دُم پکڑ لی اور پیچھے گھسیٹ لیا جیکی غرق ہونے سے تو بچ گیا۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ اُسے بچاؤ کشتی تک کس طرح پہنچایا جائے؟

عین اس وقت پروفیسر صاحب کی کشتی قریب آ گئی اور ادریس نے جیکی کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اوپر اٹھا لیا کہ اسے کشتی میں پھینک دے۔ لیکن پھر فوراً ہی اس نے اپنے آپ کو روکا۔ جیکی کشتی میں گرنے کے بجائے کہیں سمندر میں جا پڑا تو؟

اور کشتی کو موجیں ایک بار پھر پیچھے ہٹا لے گئیں۔

سمندر اب چوٹی پر چڑھ آیا تھا اور یہ چوٹی لرز رہی تھی۔

اور پھر ادریس کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ اس نے جھنڈا اکھاڑ لیا جھنڈے کا دوسرا کونا بھی بانس کے گرد لپیٹ کر جھولی سی بنا لی۔ اور اس میں جیکی کو بٹھا دیا۔

اب جو بچاؤ کشتی قریب آئی تو ادریس نے بانس دوسری طرف سے اور دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کشتی کی طرف بڑھا دیا۔ جھنڈا کشتی تک پہنچ گیا۔ پروفیسر صاحب نے جھنڈے کی جھولی میں سے جیکی کو گھسیٹ لیا اور ساتھ ہی بڑبڑائے:

"میں پوچھتا ہوں لوگ کتوں سے کیوں اتنا پیار کرتے ہیں؟ کہ پہلے کتا اور پھر ہم!"

اب ادریس نے رسہ کشتی کی طرف پھینکا۔ یہ رسہ اس کی کمر پر کے ہوائی تھیلیوں کے پٹکے سے بندھا ہوا تھا۔

پروفیسر صاحب نے رسے کا سرا پکڑا اور ادریس کو کھینچنے لگے۔

ادریس سمندر میں کود پڑا تھا۔ لیکن ڈوبا نہ تھا۔ ہوائی تھیلیوں کی وجہ سے تیر رہا تھا۔ اُدھر سے پروفیسر اسے کھینچ رہے تھے۔ اور خود ادریس بھی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ چنانچہ وہ بچاؤ کشتی تک پہنچ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اُسے کشتی میں گھسیٹ لیا۔

"خدا کا شکر ہے" پروفیسر نے کہا۔

لیکن ابھی یہ الفاظ ان کی زبان نے ادا کیے ہی تھے کہ ادریس اٹھا اور سمندر میں کود پڑا۔

"ارے!" پروفیسر چلائے "یہ کیا کر رہے ہو۔ خودکشی؟"

"نہیں"

"پھر؟"

"واپس اولکا کی چوٹی پر جا رہا ہوں"

"اب وہاں کیا کرنے جا رہے ہو؟ اولکا ڈوب رہی ہے ادریس!"

"اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کا ایک پتھر لے آؤں کہ آپ اور دوسرے سائنس دان اس پر تحقیق کر سکیں کہ یہ اولکا کیا تھی؟ اور اس میں کون کون سی دھاتیں ہیں وغیرہ وغیرہ"

"ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن جلدی کرو"

رسہ ادریس کی کمر سے لپٹا ہوا تھا۔ اور اس کا دوسرا سرا پروفیسر صاحب پکڑے ہوئے تھے۔

ادریس اولکا کی چوٹی تک پہنچ گیا۔

عین اس وقت چوٹی لرزی اور اس کی پوری ساری نوک ٹوٹ کر گری۔ ادریس نے لپک کر یہ نوک اٹھائی اور سمندر

میں کود پڑا۔

چند منٹوں بعد وہ پھر بچاؤ کشتی میں تھا۔

پروفیسر صاحب نے یہ بڑا سا پتھر جو اولکا کی چوٹی کی نوک رہا تھا، اٹھایا، اسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور چیخے :-

" بگرڈنیم ___ بگرڈنیم "

" ارے پروفیسر صاحب! پہلے کشتی کو ہوائی جہاز تک لے چلو ورنہ نہ صرف بگرڈنیم بلکہ پروفیسر بگرڈم اور ادریس اور جیکی بھی سمندر میں ہوں گے "

" ٹھیک کہتے ہو "

ایک چپو پروفیسر صاحب نے سنبھالا اور دوسرا ادریس نے۔ دونوں اندھا دھند چپو چلانے لگے۔

بڑی کوششوں کے بعد کشتی ہوائی جہاز تک پہنچ گئی۔ پہلے پروفیسر اور پھر ادریس ہوائی جہاز میں سوار ہوا۔ ادریس نے جیکی کو ہوائی جہاز میں گھسیٹ لیا۔

بچاؤ کشتی کو یونہی چھوڑ دیا گیا۔ موجیں اسے کسی انجانی منزل کی طرف لے جانے لگیں۔

بڑی آواز کے ساتھ ہوائی جہاز اوپر اٹھ گیا۔

پروفیسر اور ادریس نے آخری دفعہ اولکا کی طرف دیکھا۔ وہ دیکھ ہی رہے تھے کہ اس کی چوٹی جو پانی سے باہر تھی، بری طرح لرزی۔

ایک زبردست گھڑگھڑاہٹ کی آواز ہوئی۔

اور آسمانوں سے ٹوٹ کر دنیا کے قطب شمالی کے سمندر میں گری ہوئی بجلی اور لکا تہ آب ہو گئی۔ جہاں اور لکا غرق ہوئی تھی وہاں زبردست بھنور پیدا ہو گیا۔

اور گرد کا پانی سمٹ کر اس بھنور میں گر رہا تھا۔

اور ہوائی جہاز میں اور لکا کے پتھر کو سینے سے لپٹا کر اور اسے چوم چوم کر پروفیسر کہہ رہے تھے:۔

"بگ ڈیم ۔۔۔ بگ ڈیم"

اور یکایک گھن گرج کی آوازیں سنائی دیں۔

"ادریس!" پروفیسر نے چیخ کر کہا "یہ گھن گرج اور لکا کے غرق ہونے کی تو معلوم نہیں ہوتی"

"نہیں۔ بلکہ زنگارو کے سمندری دیو نے ہمارے جادوئی چراغ پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ آواز اس کی توپوں کی ہے۔ وہ دیکھئے"

پروفیسر صاحب دم بخود رہ گئے۔

"کیا۔آ۔آ۔ا!" وہ بولے۔

ادریس نے دوربین آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔

"پروفیسر صاحب! غضب ہوگیا" وہ چیخا۔

"وہ تو ہو ہی گیا" پروفیسر صاحب نے سر ہلایا۔

"جادوئی چراغ کو زنگارو نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے"

"یہ واقعی غضب ہوگیا" پروفیسر صاحب نے دانت بھینچے "زنگارو ۔۔۔ شیطان ۔۔۔ ادریس! کچھ بھی ہو جادوئی چراغ کو بچاؤ"

"لیکن کس طرح؟" ادریس نے کہا "ہمارا ہوائی جہاز جنگی طیارہ

تو یہ نہیں کہ ہم سمندری دیو پر بم برسائیں۔"

"تو پھر کیا ہوگا؟ ہم یونہی فضا میں لٹکے رہیں گے؟"

ادریس نے پھر دوربین آنکھوں سے لگائی اور بولا۔

"جادوئی چراغ آگے ہے اور سمندری دیو اس کے پیچھے ہے۔ اس کا بھید اب کھلا ہے۔"

"بھید! کیا بھید ہے؟ بکو جلدی سے۔"

جواب میں جیکی بھونکا۔

"چپ کر۔ تجھ سے کون پوچھ رہا ہے؟" پروفیسر صاحب خفا ہو گئے۔

"دور سے اور سامنے سے ایک تیسرا جہاز آتا دکھائی دے رہا ہے۔"

"اچھا۔"

"اور یہ جہاز سمندری دیو پر حملہ نہ کردے اس لیے زنگارو نے جادوئی چراغ کو آگے رکھا ہے۔"

"بڑا شیطان بلکہ شیطان کا لکڑ دادا ہے یہ زنگارو۔ کس کا ہے یہ تیسرا جہاز؟"

"پتہ نہیں۔ آپ ہوائی جہاز کو اس طرف لے چلیں۔"

چنانچہ پروفیسر صاحب ہوائی جہاز کو گھما کر اس طرف لے آئے اس تیسرے جہاز کے قریب پہنچ کر وہ ہوائی جہاز کو نیچے لے آئے تو اُن کے اور ادریس کے منہ سے خوشی کی چیخیں نکل گئیں۔ یہ تیسرا جہاز خود ان کا جہاز اولکا رانی تھا جسے وہ

تیسرے جزیرے پر چھوڑ آئے تھے۔ کپتان خلیل کا دوست کپتان سندباد اسے لے کر یہاں آ گیا تھا۔

وائرلیس کے ذریعے کپتان سندباد سے رابطہ قائم کرنے کے بعد پروفیسر صاحب نے ہوائی جہاز اولکا رانی پر اتار دیا۔ ادریس نے کپتان سندباد کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ آدھے گھنٹے بعد اولکا رانی اپنا راستہ بدل کر دوسری طرف جا رہا تھا۔ اس کے بعد جب وہ پھر نظر آیا ہے تو وہ سمندری دیو کے پیچھے تھا۔

ادھر جادوئی چراغ پر کپتان خلیل غصے اور مایوسی میں دیوانے ہو رہے تھے۔

"سانپ، اژدہے، نیولے، اور بلائیں — پروفیسر اور ادریس گئے سو گئے۔ کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ دونوں زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔ اور میں یہاں پھنس گیا ہوں۔ اس جھینگر زنگارو نے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اس سے موت ہزار درجے بہتر ہے۔"

عین اس وقت گرج کی آواز ہوئی۔

کپتان خلیل اس خیال سے اچھل پڑے کہ سمندری دیو جادوئی چراغ پر گولے برسا کر اسے غرق کر دینا چاہتا ہے۔

کپتان نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔

سمندری دیو کے پیچھے ایک اور جہاز تھا جو دشمن پر گولے برسا رہا تھا۔

کپتان خلیل دوڑ کر بندر کی سی پھرتی سے دیدبان پر چڑھ گئے۔

اور انھوں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر انہیں خوشی ہوئی کہ وہ دیدبان پر گرتے گرتے بچے۔

یہ خود ان کا جہاز تھا اولکارانی ——— اور وہ سمندری دیو پر گولے برسا رہا تھا۔

"ہاہت تیری ایسی کی تیسی" وہ چلائے۔

وہ تیزی سے نیچے اترے اور اب وہ بھی سمندری دیو پر گولے برسا رہے تھے۔

سمندری دیو گویا دو پاٹوں کے بیچ میں تھا۔

زنگارو اس دوطرفہ حملے سے بدحواس ہو گیا اور اس نے سفید جھنڈا لہرا دیا۔

اب سمندری دیو گویا حراست میں تھا۔

آگے جادوئی چراغ اور پیچھے اولکارانی اور بیچ میں سمندری دیو۔

اور یوں یہ تین جہازوں کا بیڑا تیرتے جزیرے پر پہنچا۔ وہاں زنگارو، اس کے ساتھیوں اور اس کے جہاز سمندری دیو کو بحری جہازراں کی عدالت کے سپرد کر دیا گیا۔ کپتان خلیل اور کپتان سندباد نے اپنے اپنے جہاز تبدیل کیے اور پھر ادریس، کپتان خلیل اور پروفیسر اگڑم بگڑم کپتان سندباد سے رخصت ہو کر اپنے جہاز اولکارانی پر سوار ہوئے۔

اور یوں دنیا کی پہلی اولکا پر فتح حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔